بسلسلۂ تصنیفات دارالتبلیغ لکھنؤ

دینِ فطرت

مصنفہ سرکار حکیم الامت علامہ ہندی مجتہد العصر دام ظلہ العالی

باہتمام سید اختر حسین رودلوی منیجر

دسمبر ۱۹۳۹ء کو

سرفراز قومی پریس لکھنؤ میں چھپ کر شائع ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولہ الحمد
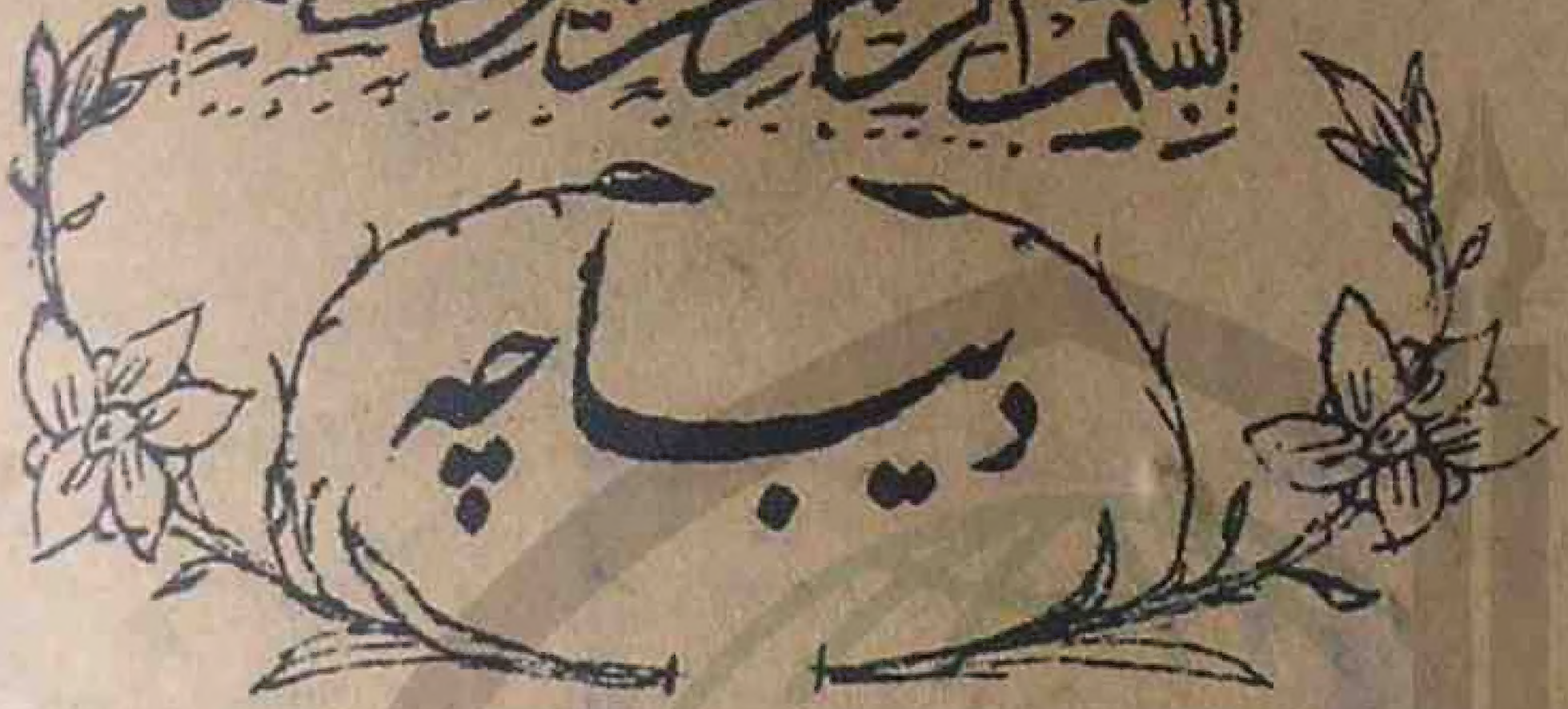
دیباچہ

شیعہ مذہب کی تاریخ، اُس کا تمدن و اصول مبسوط کتابوں میں تفصیل سے موجود ہے۔ لیکن مختصر پسند طبائع ایسی مختصر کتابیں ڈھونڈھتے رہتے ہیں جو کم وقت میں کلیات مذہب سے واقف کردیں۔ ایسی مختصر کتابیں جو دورِ حاضر میں بھی مفید ہوں، موجود نہ تھیں جن کا سلسلہ ہم نے شروع کیا یہ رسالہ چوتھی کڑی اُسی سلسلہ کی ہے۔

پہلا رسالہ "اسلام کی حقیقت" ہے، جو اُردو، ناگری، انگریزی مرہٹی میں ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر شائع ہوچکا ہے۔ اور اُس کا بنگلہ میں بھی ترجمہ کرالیا ہے اور ہنوز چھپا نہیں۔

دوسرا۔ "تاریخ شیعہ کا ایک ورق" یہ رسالہ اُردو میں چھپ چکا

تیسرا۔ "شیعہ اور خلافت" یہ رسالہ ابھی تک نہیں چھپا۔

چوتھا۔ یہ رسالہ "دین فطرت" کے نام سے موسوم ہے۔

مذکورہ رسالوں سے ہرگز ہمارا مقصد بحث و مباحثہ اور کسی کی

دل آزاری نہیں ہے۔ اصلی مقصد یہ ہے کہ غیر اقوام میں مذاہب عالم کی معلومات حاصل کرنے والے مذہب شیعہ کی حقیقت سے بھی اطلاع حاصل کر سکیں۔

شیعہ مذہب کی جانچ کے لئے قرآن مجید اور رسولخدا کی صحیح حدیثیں جو ائمہ معصومین سے ہم تک پہونچی ہیں، اور خود ائمہ ہدیٰ کے صحیح اقوال جو درحقیقت رسولی تعلیم ہے، اور اماموں نے اُس کو نشر کیا ہے، اور قرآنی تعلیم کے موافق یا اُس کی شرح و تفسیر ہیں۔ اگر کسی حدیث یا قول رسولؐ و امام کو قرآنمجید سے اختلاف ہوگا وہ ہمارے مذہب میں ناقابل عمل اور گڑھنت سمجھی جاوے گی۔

اسی طرح سے ہمارے مذہب کا معیار و اساس عقل ہے جسکی تائید قرآن وحدیث سے بھی ہو۔ شیعہ مذہب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے کہ اُس کے مذہب کی بنیاد حسن قبح عقلی پر ہے۔ یعنی جس چیز کی عقل بُرائی تجویز کرے وہ برا ہی ہے، اور جس کو عقل اچھا سمجھے، وہ اچھا ہے۔ ہمارے تمام اصول و فروع کا مدار عقل، پر ہے۔ جن چیزوں کی بُرائی عقل تجویز کردے اُن کی گنجائش شیعہ مذہب میں نہیں ہے۔ عقل کی کسوٹی پر ہم سب سے پہلے کستے ہیں۔ اگر عقل اساس مذہب نہ ہوتا تو یہ مذہب احمقوں اور بیوقوفوں کا مذہب ہوتا اور انسانی عقل کا کوئی مصرف ہی نہ ہوتا، اس لئے کہ شیعہ مذہب میں دین و دنیا جدا نہیں ہیں، یعنی انسان کی زندگی کے تمام فرائض کسی شعبہ حیات سے

تعلق رکھتے ہوں دینی ہیں۔

فرائض انسانی کی یہ تقسیم دین و دنیا میں بیدینیوں کی گڑھنت ہے جو اپنی خودغرض زندگی کی آزادی کے لئے بنائی گئی ہے۔ اور اچھا خاصہ محاذ جنگ قائم کیا گیا ہے۔ دین پرستوں نے بھی اپنی بزدلی، کمزوری، سستی و کاہلی کی وجہ سے اس تقسیم کو قبول کرلیا ہے، ہرچند کہ یہ تقسیم سراسر غلط ہے۔ چونکہ بیدینوں، لامذہبوں نے یہ تفریق کردی۔ اس لئے دنیا کی مذمت میں جو حدیثیں اور اقوال ائمہ ہیں، اُن سے وہی دنیا مقصود ہے جو بیدینوں کی تراشی ہوئی ہے اور عوام جسکو دین سے علیحدہ سمجھے ہوئے ہیں۔

غرضکہ۔ انسانی عقلیں چونکہ مختلف ہیں اور کسی شئے کی برائی بھلائی پر عالم بھر کا اتفاق ناممکن ہے۔ صرف اسی لئے ہم عقل کی جانچ کے بعد قرآن مجید اور انبیاء و ائمہ ہدیٰ کی تعلیم سے اُس کی جانچ کرلیتے ہیں اور ہمارا آخری فیصلہ اُس وقت ہوتا ہے جب کہ عقل کے فیصلہ کی تائید قرآن و حدیث سے بھی ہوجاوے۔ ورنہ ہم انسان کے لئے ہادی اول عقل کو سمجھتے ہیں۔ اور قرآن مجید و انبیاء و ائمہ کو صرف عقلی اختلافات کا مٹانے والا قرار دیتے ہیں۔ اسی کو جابجا قرآن مجید نے بھی کہا ہے

"کل انسان ایک امت تھے، اُن کے اختلاف کو دور کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء و مرسلین خدائی کتابوں کے ساتھ آئے اختلاف نہ ہوتا تو فطری تعلیمات اُن کے لئے کافی تھی، اور انھیں سے وہ مختلف فیہ مسائل کا فیصلہ کرلیا کرتے (وما کان الناس امۃ واحدۃ فاختلفوا

کلمۃ سبقت من ربک لقضی بینھم فیما فیہ یختلفون۔

سورہ مومن)

دیکھو قرآن مجید نے جابجا تاکید کی ہے کہ عقل و فکر و تدبر سے ہمیشہ کام لو (افلا تعقلون، افلا تتفکرون، افلا تتدبرون) خدا انسان سے ہرگز اندھی تقلید نہیں چاہتا۔ اگر ایسا ہی ہوتا کہ ناسمجھی اور جہالت سے اچھے برے کا تصفیہ صحیح ہوتا تو خدا تحصیل حکمت کی تاکید نہ فرماتا اور اُسکو خیر کثیر قرار دیتا (من اوتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا)۔

ایمان بالغیب تو صرف اُن اَن دیکھی چیزوں کے لئے ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور ہنوز عقلی روشنی سے دور ہیں، اور ممکن ہے کہ ہمیشہ عقل کے احاطہ سے دور رہیں۔ کیونکہ عقل انسانی کی رسائی سے وہ اس لئے دور ہیں کہ علم الٰہی کے احاطہ کے اندر ہیں جہاں مخلوق کی رسائی ناممکن ہے۔ اُن کو عقل نہیں جھٹلا سکتی، اس لئے کہ وہ غیبی باتیں (یعنی پوشیدہ عقلی تحقیق سے) جب تک تجربے میں نہ آویں بیکار و معطل نہ رہیں، اور اُن کی افادیت سے انسان محروم نہ رہے۔ اور یہ جملے کہ سائنس کی ترقی کے باوجود وہ چیزیں جو انسان کی قوت سے بالاتر ہیں، صرف مذہبی ڈھکوسلے ہیں، یا فلاں چیز سائنس کے تجربے میں نہیں آئی ہے۔ لہٰذا اُس کا وجود نہیں ہوسکتا یہ کہنا سراسر غلط ہے اس لئے کہ تمام سائنس کے تجربے تدریجی ہیں جو اب تجربے صحیح ثابت ہو رہے ہیں۔ ماضی میں اُن کا وجود نہ تھا تو ماضی اپنے مستقبل کو جھٹلانے کا کیا حق رکھتا ہے۔

اسی طرح سے حال مستقبل کو ہرگز نہیں جھٹلا سکتا۔ جبکہ ممکن ہے آیندہ
صحیح ثابت ہوں، لہٰذا موجودہ احاطہ عقلی سے باہر چیزیں غیب ہی
کہلاویں گی، جس طرح سے ماضی کی موجودہ عقلی احاطہ سے باہر والی چیزیں
غیب تھیں، اور حال میں تحقیقات سے روشن ہوئیں۔ لہٰذا ایمان بالغیب
کا اصول بھی عقل کی بنیاد پر قائم ہے، اور ناقابل انکار ہے جس مذہب کا
کل وجزو عقلی ہو اُس کے چند اَن گنے امور اگر عقل میں نہ آویں تو جھٹلائے
نہیں جا سکتے۔

خوب سمجھو! شیعہ مذہب کی بنیاد عقل صحیح قرآن مجید اور حدیث رسول پر ہے
جب تک تینوں چیزیں مل کر کسی اصول کی تائید نہ کریں اُس کی شیعہ مذہب
میں گنجائش نہیں ہے۔ اور اسی نظر سے ہماری اس کتاب کو دیکھنا ہوگا۔ پیر
وولی گروہ کے منقولوں اور ملفوظوں پر ہمارے مذہب کا اساس نہیں ہے
جب تک ہمارے مذکورہ معیار پر پورے نہ ہوں۔

شیعوں کا دعویٰ ہے:-

(۱) اُن کا ہر شعبہ حیات، اور زندگی کا ہر عمل مذہب سے اور دین سے
جدا نہیں ہے۔

(۲) اُن کے مذہب کا اساس خدا کی توحید، اُس کی یکتائی و بے نظیری
اور اُس کے فوق الفوق و محیط کل ہونے پر ہے۔

(۳) انسان حیات صالح کے لئے پیدا ہوا ہے جو عبادت میں مضمر
ہے، اور اُس کی پوری ضمانت مذہب شیعہ سے ہوتی ہے۔ عبادت کیا ہے

وہ اپنے مقام پر بیان ہو گی۔

(۴) جو مذہب کشمکش حیات نہ مٹا سکے یا اُس کا باعث ہو وہ غلط ہے، شیعہ مذہب کشمکش حیات مٹانے کا ضامن ہے۔

(۵) جہد للبقاء کا صحیح راستہ شیعہ مذہب ہے۔

مذہب شیعہ کے تمدن کی یہی بنیاد ہے اور اس رسالہ کا موضوع بھی یہی ہے۔

اس رسالہ سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ عام اسلام اور شیعہ مذہب میں کیا فرق ہے۔ وباللہ التوفیق۔

(۱)

مذہب کی حقیقت

مذہب عربی لفظ ہے جس کے معنی چلنے کے راستہ کے ہیں۔ انسانی زندگی کا ہر قدم جس خدائی راستے پر چلے بس وہی مذہب ہے۔ خدا نے انسان کو مطلق العنان بنایا ہے۔ اُس کی ڈیوٹی اور زندگی کے فرائض بھی مقرر کر دئے ہیں۔ ہر مشنری بنانے والا اُس کے کل پرزوں کو اس ترتیب سے رکھتا ہے جس کا ہر پرزہ اُس مشنری کی غرض و غایت میں اُس کی مدد کرے اور جس غرض سے وہ بنی ہے وہ اپنے پرزوں کی مدد سے پورا پورا کام ٹھیک وقت پر انجام دے۔

کائنات کی ہر شے میں اُس کے خواص و آثار اور عمل اور جس غرض

کے لئے بنایا گیا ہے۔ اُس کا پورا کرنا خالق کی مرضی کے ماتحت ہے گھڑی وقت بتانے کے لئے موجد نے بنائی۔ بنانے والے کی اُس کے یہی غرض تھی۔ ٹیلیگرام وائرلیس ٹیلیفون وریڈیو وغیرہ بنانے کی جو غرض تھی اُس کو وہ پورا کرتی ہیں۔ خدا انسان کو عبث وفضول بنا کر چھوڑ دے اور اُس کے اعمال واغراض زندگی معین نہ کرے کیسی حماقت ہے۔

بیشک ظاہری اعمال اور ہر اُس کی حرکت کس غرض سے ہے اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، کھانا پینا وغیرہ وغیرہ سب کے سب قوی خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں، اور اُس کے حکیمانہ اغراض کے ماتحت ہیں، اُن قوتوں سے انسان کا کام نہ لینا خدا سے سرکشی ہے یا اُن اغراض کو اور قوتوں کو احمقانہ ومجنونانہ صرف کرنا یہی خدا سے تمرد وسرکشی ہے۔ کوئی مشین کسی غرض سے بنائی جاوے، وہ اپنی غرض پوری نہ کرے یا جس کام کے لئے بنائی گئی ہے وہ چھوڑ کے دوسرا کام کرنے لگے تو موجد اور انجنیر اُس کو توڑ کر پھینک دے گا یہی عقلی تقاضا ہے۔ خالق کی بنائی ہوئی چیز کی بھی یہی حالت ہے۔

تم دست وپا خشک کر دو جس سے کام نہ ہو سکے، یا دست وپا نہ ہلاؤ اور پڑے رہو۔ یا دست وپا سے عقلائی کام نہ لو، اور ظالمانہ یا حیوانی کام لو تو بیشک خدائی غرض کو مٹانا اور سرکشی وتمرد اپنے خالق وموجد سے ہے۔ تو اب بتاؤ ہر عضو انسانی کے جملہ خدمات تحت مرضی خالق ہو کر مذہبی اور دینی ہوئے یا نہیں۔ اگر دینی ومذہبی نہ ہوتے تو شرعی

ہیں ان اعضا کی نگہداشت اور اُن کے خدمات و اعمال و افعال کی
جانچ پرتال کیوں ہوتی۔ اور عذاب و ثواب ہر فعل پر کیوں مقرر ہوتا۔ لہذا
اقرار کرنا ہوگا کہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے اعمال اور انسان کا عملی دنیا میں
ہر قدم مذہبی ہے، اور خدائی راستہ اُن اعمال کے لئے اسی کی مرضی کے
مطابق ہونا چاہیئے، اور یہی دین و مذہب ہے جس کو تم دنیا دی اعمال سمجھتے
ہو وہ دین سے خالی نہیں ہیں، یا ایجابی ہوں گے یا سلبی۔ دوسرے الفاظ
میں ان کو مثبت کہو یا منفی انسانی فرائض فطرت کے مطابق ہیں تو دینی اور
مذہبی ہیں، اور اُس کے خلاف ہیں تو احمقانہ سفیہانہ، مجنونانہ، اور خالق سے
متمردانہ ہیں۔ یہی حقیقت دین و مذہب کی ہے۔

"کارل مارکس" کا یہ کہنا کہ "مذہب عوام کے لئے افیون کا کام کرتا ہے
یعنی انسانی صلاحیتوں کو خوابیدہ کر دیتا ہے، اور ان میں اس کا احساس باقی
نہیں رہتا کہ اچھا برا سوچ سکیں"۔

عالم بھر کے ملحدین و منکرین مذہب جمع ہو جاویں۔ مارکس ہوں یا اور
کوئی، وہ مذہب سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ اُن کو خدا اور مذہب میں فرق
نہیں سوجھتا، دونوں کو ایک شے سمجھ لئے ہیں۔ اُن کو سمجھنا چاہیے کہ خدا ایک
خالق و بے ہمتا ذات ہے جو ایک مرضی اور مشیت و مصلحت کا مالک ہے
اور مذہب اس راستے کا نام ہے جس پر انسان اپنی زندگی میں قدم زن ہے
اگر وہ راستہ خدائی مرضی کے مطابق ہے تو الٰہی مذہب اور فرض انسانیت
و تقاضائے فطرت الٰہیہ ہے۔ اور اگر وہ راستہ ایسا نہیں ہے تو شیطانی

مذہب حیوانی راستہ اور طاغوتی جادہ ہے، مذہب سے چھٹکارا نہیں
"مارکس بھی اسی افیون کی پینک میں اونگھ رہے ہیں جس کو وہ عوام
کے لئے تجویز کرتے ہیں۔ مذہب کا غلط مفہوم سمجھنے سے ان تمام غلطیوں کا
ارتکاب ہوتا ہے۔

خدا کا انکار اور شئے ہے اور مذہب کی ضرورت سے انکار اور شئے
اب رہا خدائی مذہب سے انکار، اس کے متعلق "لیکی" نے اپنی
کتاب "ہسٹری آف یورپین مارلس" کی پہلی جلد میں کہا ہے کہ "ان سب سے
بالاتر اور قوی تر سبب خود نفس انسانی کا ایک نہ مٹنے والا جذبہ ہے۔ وہ جذبہ
مذہبیت کا ہے، جذبہ مذہب درحقیقت انسان کی جبلت میں، انسان کی
سرشت میں، انسان کے خمیر میں داخل ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس کے برگ و بار بارہا کاٹے گئے، لیکن اس کی
جڑ جوں کی توں قائم رہی۔ بلکہ میرے نزدیک تو مذہب کی صداقت سب سے
بڑی دلیل یہی ہے کہ یہ جذبہ ہماری ہستی کا ویسا ہی نہ جدا ہونے والا جزء ہے
جیسا کہ ہمارا جسم اور ہمارے قوائے۔

رومی رواقئین نے (جو اس حیثیت سے ہمارے معاصرین ہیں،
کانٹ کے فلسفۂ حسی کے متبعین سے بہت مشابہ ہیں) یہ کوشش کی کہ انسان
کی توجہ مذہب و الٰہیات کے مباحث سے ہٹا کر تمام تر اخلاقی مسائل پر
مصروف رکھیں۔ یہ کوشش زیادہ دنوں چلنے والی نہ تھی۔ کچھ روز تو مذہب
سے بے اعتنائی رہی، لیکن جبلت کے نقش کون مٹا سکتا ہے؟

جذبۂ مذہبیت ابھرا اور اس زور سے ابھرا کہ الحاد و انکار تشکیک و تغافل سب کو اپنے ساتھ بہا لے گیا۔ پہلی صدی عیسوی تک تو مذہب کی طرف سے بے پروائی رہی، لیکن اس کے بعد انکار کی جگہ اعتقاد نے لینا شروع کر دی۔ حکومت نے اس کی روک تھام کرنا چاہی، مگر مذہب کی قوت کے آگے کچھ نہ چل سکی، بالآخر خود حکومت اسکی تائید پر آمادہ ہو گئی"۔

"لیکی" نے جو کچھ کہا ہے تمام مذاہب کے لئے ایسے دور تاریخ نے پیش کی ہیں۔ لیکن ضرورت مذہب کا انکار اور مٹانے سے نہ مٹنا مسلمات سے ہے۔ جو چیز انسانی سرشت میں داخل ہو اُس سے علیحدگی ناممکن ہے۔ " فطرت الله التی فطر الناس جمیعا لاتبدیل لخلق الله ذالك الدین القیم "۔ خوب سمجھ لو جو چیز مخلوق کی فطرت ہو وہ بدل نہیں سکتی، تم جس چیز کو جس کام کے لئے بناتے ہو وہی کام اُس سے ہوتا ہے۔

گھڑی، ٹیلیفون کا کام نہیں دیتی، ٹیلیفون آپریشن کا کام نہیں دیتا انسان کی فطری چیزوں میں تبدیلی کسی انسان کے بس کی چیز نہیں ہے اور اُس کے تمام فطریات جن کا نام تم دنیا رکھ دیا اور جو چاہے رکھ دو خالق نے اُسی کا نام " دین قیم " رکھا ہے۔ پھر دین و دنیا کا جدا سمجھنا انتہائی غلطی ہے، اور کتنا ہی ملحد بنا والا مذہب زور بازو سے اور دین مذہب سے کا ٹوٹ اپنا ہاتھ دھو میں، مذہب سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔

زبانی دعوے کتنے ہی انکاری سہی لیکن فطرت کی جکڑبندی اُن کو نہیں چھوڑ سکتی، اور اُسی کا نام شیعہ مذہب میں دین و مذہب ہے۔

"البرٹ آئنسٹائن" جرمنی کا ریاضی داں کہتا ہے کہ "میرا خدا پر ایمان ہے وہ خدا جو "اسپینوزا" کے تصور میں تھا، وہ خدا جو کائنات کی ترتیب و نظم میں ایک حقیقت کے طور پر میرے سامنے جلوہ گر ہوتا ہے، میرا یقین ہے کہ ذکاوت نفس کائنات کے ہر ذرے میں ہویدا ہے۔ تمام سائنٹفک اصول کی بنیاد اس اصول پر مبنی ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ ایک منظم حقیقت ہے۔ اور اس انتظام و تسلسل کا ضبط ایک خاص مخزن طاقت ہے۔ یہ کائنات اتفاق و حوادث کا نام نہیں ہے۔"

"سر آرتھر ایڈنگٹن" کیمبرج کا ماہر فلکیات کہتا ہے کہ "انیسویں صدی میں مادہ پرستی اور عقل پرستی اور انحصار عالم کا مادیات میں، اس صدی میں رد کرنے کے قابل ہے۔ پہلے اہل علم کائنات کی ہر چیز کی تفسیر اور قیمت اس کی طبعی و کیمیاوی حالت سے جانچ کر بیان کرتے تھے، اور اب ہر طرف یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ کائنات کے اس ہنگامے میں انسان کی کیا حیثیت ہے، اور وہ کس عزت و منزلت کا اہل ہے۔

دہریت اب نہیں چل سکتا، روحانیات کا زمانہ آگیا ہے۔ انسان اپنی روح اور ذہنیت کو روزمرہ کی زندگی سے باہر نہیں پھینک سکتا۔" جب روزانہ کا یہ تجربہ ہے کہ روح کی حقیقت سے منکر ہونے کی طاقت نہیں رکھتا انسان کس طرح خدا کی حقیقت سے انکار کر سکتا ہے۔ روح اور دماغوں کی

دنیا سے مذہب کا تعلق ہے، اور وہ کسی طرح سے متزلزل نہیں ہو سکتا۔"

"مارکس" روح و دماغ کا قایل ہو کر مذہب کو افیون قرار دے اور مادیات کو روح و دماغ کی بیداری و احساس کا آلہ سمجھے۔ یہ دو متضاد خیال ہیں۔ روح و دماغ کی دنیا میں تو اسی چیز کی کھپت ہو سکتی ہے جو مادیت سے بے نیاز ہو، اور وہ مذہب، اور خدا ہی ہے جو روح کی تقویت کرتا، اور دماغی دنیا کو بیدار کرتا ہے۔

"جیا۔ ایس۔ الڈین" انگلستان کا ماہر طبعیات کہتا ہے کہ "ماہران طبعیات سمجھتے ہیں کہ لوگ ایک خواب دیکھ رہے تھے، اور اب بیداری پیدا ہو چکی ہے۔ کائنات طبعیاتی و کیمیاوی عناصر کے اتحاد و ردعمل کا ہی نام نہیں ہے۔ بلکہ کوئی اور حقیقت بھی ان میں کارفرما ہے۔ گو یہ ضرور ہے کہ نظریہ میکانیات کے باعث بھی دنیا نے بہت سے عملی فائدے حاصل کئے، اور بہت ممکن ہے کہ مستقبل میں کوئی اچھی کامیابی انسانیت کے فائدے کے لئے حاصل ہو۔

آجکل زندہ عناصر حیات کی کیمیاوی و طبعیاتی تشریح کرنے کی کوشش ایک ایسی فاش غلطی ہے جس کا کبھی مداوا نہ ہو سکے گا۔ ایسے لوگ کس نتیجہ پر پہونچیں گے۔ ذرا اس کا نقشہ دیکھ لیجے۔

ڈاکٹر اے۔ ال۔ ساگر (امریکہ) نے کیمیاوی تجزیہ کے بعد انسانی تشریح جسم کی ذیل کے الفاظ میں بیان کی۔ ہے "اس دنیا موٹا کہ اس کے

جسم کی چربی سے صابن کی آٹھ ٹکیاں تیار ہو سکیں۔ اس قدر لوہا کہ پانچ لاکھ ٹوپیاں بنائی جا سکیں، اتنی شکر کہ ایک معمولی شکردان کو بھر دے اور اتنا نمک کہ چند چھوٹے نمکدان لبریز ہو جائیں، اس قدر پوٹاشیم کہ ایک کھلونہ کی توپ چلا سکے، اور اس قدر میگنیشیم پائی جاتی ہے کہ آپ کے پائیں باغ کے جنگلہ پر چار پانچ انچ مربع جگہ پر سفیدی کر سکے۔ یہ اور اسی قسم کے دیگر مسالوں کا مجموعہ ہے جسے انسان کہا جاتا ہے۔ سب ملا کر شاید تہتر ڈالر سے زائد قیمت نہ ہو۔"

جب انسان کی مادی حقیقت صرف اتنی ہو تو کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اس بے حقیقت مادے کے لئے ہم ذلیل و رسوا ہوں۔ کائنات میں مادہ اور طبیعاتی عناصر کی کوئی حقیقت و قیمت نہیں ہے بلکہ ذہن اور شخصیت اور روح ہے جو کسی منظر کائنات کی حیثیت متعین کرتی ہے، اور جسے دراصل اہمیت دینی چاہیئے۔

انسان صرف ہڈیاں، نسوں، خون، اور چمڑے وغیرہ کے مجموعہ کو نہیں کہتے، انسان وہ ہے کہ جب ہم اپنے ذہن میں روح اور اُس کے اوصاف کو جگہ دیں، مادی طبعی معلومات اور دماغ کی لہروں کے درمیان فرق کا ایک زبردست سمندر ہے۔ انسان کے لئے روحانی دنیا ہے جو اس کو انسان بناتی ہے، اور اس عظیم فرق کو بہت کم لوگ محسوس کرتے ہیں!!

غافل انسان روح سے جاہل مادے کا گرویدہ ہو کر کائنات کی

سی بے حقیقت شے کو کبھی خدا میں رکھدیتا ہے، کبھی خدا کو اُس بے حقیقت
شئے میں رکھدیتا ہے۔ کبھی گھبرا کر اس بے حقیقت کائنات کو معبود سمجھ لیتا
ہے، کبھی خدا کو اُس کائنات سے نکالتا ہے۔ کبھی کائنات کی نکال بٹھال
خدا میں کرنے لگتا ہے۔ کبھی خدا ہی سے منکر بنجاتا ہے۔ لہذا مادہ پرستی کو
نشہ کی ترنگ کہنا صحیح ہے جو عقل کو ٹھوکروں پر ٹھوکریں دیتی ہے، اور ایک
خدا اور مذہب کے انکار سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اور دین و دنیا کی جدائی
اور تفرقے کا سبب ہے۔

دنیا تو دین کا مصرف ہے، اور دین ہی کے لئے بنائی گئی ہے، اور
خالق کی ہستی اس دنیا سے بالکل جدا و متباین ہے۔ وہ کائنات کی کسی چھوٹی
بڑی چیز پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

(۲)

اسلام و شیعیت

اسلام بھی منجملہ دیگر مذاہب کے ایک مذہب ہے جس کی بنیاد
انسانی سلامتی پر ہے، اور وہ دنیا کو سلامتی کا پیغام پہونچانے آیا ہے
جو بات بھی سلامتی کے منافی ہو۔ سمجھ لو وہ اسلامی نہیں ہے۔ جذبہ بقائے
صالح اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب اپنی ذات اور دوسرے لوگوں کی ذات
سے برابر کی محبت و عشق ہو اور یہی شیعہ مذہب ہے۔

خوب سمجھ لو امن و سلامتی کا وجود نہیں ہو سکتا جب تک محبت کا حقیقی

جذبہ موجود نہ ہو۔ اسی لئے شیعہ قایل ہیں کہ عام اسلام مفید نہیں ہے۔ جب تک اُس کی بنیاد محبت پر نہ ہو۔ خداوند کریم نے بھی اُن عربوں کو مومن کہنے سے روکا تھا۔ جو بظاہر اسلام لائے تھے، اور اُن میں محبت نہ تھی۔ اور کہہ دیا تھا کہ تم اپنے کو مسلم تو کہو لیکن مومن نہ کہو۔ (قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا بل قولوا اسلمنا)۔

قرآن مجید میں کثرت سے منافقوں کی مذمت کی گئی ہے۔ اس لئے کہ وہ بظاہر مسلمان تھے، لیکن مومن نہ تھے۔ یعنی اُن میں محبت نہ تھی۔ یہی کھلا ہوا فرق شیعہ اور مسلم میں ہے۔ شیعہ وہ مسلم ہے جو باایمان ہو۔ اور منافق مسلم وہ ہے جو بے ایمان ہو۔

ایمان کیا ہے زبان سے اقرار، اعضا و جوارح سے عمل، قلب سے اعتقاد یہی تفسیر ہے محبت کی ہے، اور مذکورہ باتیں مظاہر محبت ہیں۔ محبت کے درجات ہیں، اس لئے ایمان کے بھی درجات ہیں۔ اسلام بغیر محبت نا مُدّا رساں نہیں ہے، اور قرآن مجید میں انبیاء کے تذکروں میں جس اسلام کا تذکرہ ہے مراد اُس سے اسلام خاص یعنی ایمان ہے۔

انبیاء و مرسلین و ائمہ معصومین محبت کے پتلے تھے، اور یہی محبت اُن کو سخت ترین ایثار و قربانی پر آمادہ رکھتی تھی، اور ہر مصیبت و تکلیف کو وہ برداشت کر لیتے تھے جس پر تاریخیں شاہد ہیں۔ قرآن مجید نے فلاح و نجات کو ایمان کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ عام اسلام سے فلاح و نجات کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ خدا اور رسولؐ سے محبت اُن کے حکموں اور اُن کے دوستوں سے

محبت۔ اُن کے دشمنوں سے بیزاری یہی حقیقی محبت ہے، اور اسی کا نام "تولّا اور تبرّا" ہے جو جزوِ ایمان اور اساس محبت ہے، اور بکثرت قرآن مجید میں موجود ہے۔

ایمان باللہ و بالرسولؐ جبھی ہو گا جب اُن کے احکام سے محبت کے ساتھ عمل بھی ہو اور ان کے دوستوں سے بھی محبت ہو، اور اُن پر بھی ایمان لایا جائے، اور وہ خاص گروہ ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی مرتد ہو جاوے دین سے تو بہت جلد ایک گروہ لایا جاوے گا جو خدا کو دوست رکھتا ہو گا اور خدا اُس کو دوست رکھتا ہو گا۔ (یا ایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ)

یہ وہی گروہ ہو سکتا ہے جس کی محبت و ایمان کو قرآن نے فرض کیا ہو، اور وہ اہلبیت رسولؐ ہیں (قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ) بس در اصل ایمان یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ و اہلبیت رسولؐ سے محبت ہو یعنی اُن پر ایمان لایا جاوے۔ اور تینوں کی برابر سے محبت ہو اور فرق نہ کیا جاوے ایمان و محبت میں۔ اسی لئے رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے "جس نے مجھ میں اور علیؑ میں فرق کیا اُس نے خدا سے فرق کیا" (مسند احمد بن حنبل) اور خدا اور رسولؐ کے فرق کو قرآن نے کفر بتایا ہے۔

اسی لئے رسولؐ نے اپنی زندگی میں اصحاب کو جتا دیا تھا کہ "تم میرے بعد کافر و مرتد ہو جاؤ گے" (صحیح بخاری صحیح مسلم وغیرہ) اور حدیث حوض کو ثر متواتر و

متفق علیہ ہے۔ "قیامت میں ملائکہ اصحاب رسولؐ کو حوض کوثر سے ہٹائے رہیں گے۔ رسولؐ فرمادیں گے، یہ تو میرے اصحاب ہیں، ملائکہ عرض کریں گے آپ کو کیا معلوم آپ کے بعد دین میں انھوں نے کیسے کیسے فتنے پیدا کئے" (صحیح بخاری صحیح مسلم وغیرہ) گذشتہ آیت بھی دین سے پلٹ جانے والوں کی خبر دیتی ہے۔

کھلا ہوا دین سے ارتداد علیؑ و آل علیؑ سے پھر جانا ہے، اس لئے شیعوں کا اعتقاد وہی ہے جو اکابر صحابہ کا اعتقاد تھا کہ رسولؐ کی زندگی میں مومن و منافق کی شناخت محبت علیؑ و بغض علیؑ سے ہوتی تھی (صحیح بخاری سنن ابو داؤد) شیعہ حیات رسولؐ و وفات رسولؐ میں اسی کو اپنا معیار بنائے ہوئے ہیں۔

چونکہ عام مسلمانوں نے خدا کے قرآنی حکم کو نہ مانا، اور خواہ مخواہ ضد سے اپنے کو مومن کہتے رہے۔ اس لئے دوست داران علیؑ نے اپنے کو شیعہ کہنا شروع کر دیا جس کے معنی ہی دوست، و محب کے ہیں، تاکہ امتیاز ہو جاوے مسلم و مومن میں، اور جو دوست علیؑ نہ تھے انھوں نے اس نام کا مضحکہ اڑانا شروع کر دیا

تقیہ تقیہ کی بنیاد خالص محبت پر ہے۔ چونکہ قرآن مجید کا صاف اور صریح حکم ہے کہ جس نے کسی نفس محترم انسانی کو قتل کر دیا بجز اس صورت کے جو بغرض قصاص اور فتنہ و فساد دور کرنے کے ہو، اس نے گویا جمیع خلقت خدا کو قتل کر دیا (من قتل نفسا بغیر نفس فکانما قتل الناس جمیعا) یہ قتل نفس کی سلبی شکل ہے، اور ایجابی

شکل میں ارشاد ہے جس نے ایک نفس کو زندہ رکھا اُس نے گویا جملہ
انسانوں کی جان بچالی (من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا)
دوسروں کی جان ہو یا اپنی جان ہو جب ہر حال میں اُس کا تحفظ واجب
ہے. عداوت و دشمنی، ملک و مال، حکومت و سرمایہ داری، مخالفت مذہبی
جب کہ ان میں کی کوئی چیز جان لینے اور دینے کی نہیں ہے تو ایسے موقعے
جہاں جان جارہی ہو وہاں تحفظ جان کا نام تقیہ ہے جسکو امام جعفر صادق
علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "تقیہ دین ہے ہمارا اور ہمارے آباء و اجداد
کا (کافی)

اور یہی رکن اعظم شیعہ مذہب کا ہے۔ اسی سے غرض وجود انسانی
کی پوری ہوتی ہے۔ "جیو دوسروں کے زندہ رکھنے کے لئے" یعنی تمہارے
جذبات کتنا ہی تم کو مجبور کریں جان دینے اور لینے پر، اور کتنا ہی اشتعال
دلایا جاوے، تم اپنے جذبات و اشتعال کو دبائے رکھو یہی تقیہ ہے۔

شیعہ غازی بننے سے اپنی شہادت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور مظلوم
بننے کو ظالم بننے پر، اور جان لینے اور بے محل جان دینے کو خلاف محبت
و دوستی سمجھتے ہیں، اور تعلیم خدا اور رسولؐ کے سراسر خلاف سمجھتے ہیں۔
اور یہی تعلیم علوی ہے۔ اُن کی مخالفت کرکے دوست علیؑ اور خود کو
شیعہ کہلانا غلط ہے۔ اس لئے وہ تمام اعمال و افعال جن میں جان
لینے اور دینے کا سوال آجاوے، عداوت بڑھانے اور کشمکش حیات
پیدا کرنے کے بجائے خود خاموشی سے عامل ہوتے ہیں اور مزاحمت و

تصادم کو ناجائز سمجھتے ہیں، اُن کا اُس وقت یہ عمل ہوتا ہے کہ ہمارا دین ہمارے ساتھ ہے، اور تمہارا دین تمہارے ساتھ ہے (لکم دینکم ولی دین)

اس پر بھی اگر خاموش نہ بیٹھنے دیں تو مردانہ وار لڑنا جہاد ہے، اور قتل ہو جانا شہادت ہے۔ دیکھو رسولی اور علوی و حسینی جنگوں کو۔ اور اُن کے بعد اماموں کی مظلومانہ شہادتوں کو جس کی بنیاد پر مذہب شیعہ پھیلا اور پھولا۔ خوب سمجھ لو بقائے صالح اس سے زیادہ اور کیا ہوگی جس میں مظلومیت کی شہادت ہو اور دوسروں سے کشمکش کا شائبہ نہ ہو۔

(۳)

لامذہبیت نا امنی کا سبب ہے

لامذہبیت اختیار کر کے بتاؤ دنیا میں کتنا امن و امان پیدا کیا۔ واقعات تاریخیہ ان ملحدوں پر ابدی لعنت کرتے رہیں گے۔ ان ملحدوں نے جس ناامنی کو پیدا کر دیا ہے۔ تاریخ نہیں ثابت کر سکتی کہ کسی مذہب نے کبھی ایسی ناامنی پیدا کی ہو۔ مذہب کے دشمن خود کو کتنا ہی آزاد بناویں اور لامذہبیت و الحاد کا پرچار کریں جھوٹے ہیں۔ صرف صورت بدلی ہے، پہلے مذہب کا اساس روحانیت تھی تو آج مذہب کا اساس مادیت ہے۔ پہلے بھی مادہ پرستی تھی جس کو سودیشی مادہ پرستی کہہ سکتے ہیں۔

درخت سے پانی سورج تارے آگ، پتھر، جانور کا پوجا تھا،

آج بد قسمتی مادہ پرستی ہے۔ مشینوں کی پوجا ہے۔ صرف مادیات کی صورت بدلی ہوئی ہے۔ پہلے پیشوایان دین انبیار۔ گرو واوتار کی عظمت و احترام و پیروی نجات کا ذریعہ تھی۔ تو آج بھی شخصیتوں کی پوجا ہے۔
فلاسفہ و سائنس موجب نجات ہیں۔ اسلحہ آتشیں و مشینیں موجب نجات سمجھی جاتی ہیں۔
غرضکہ مذہب کتنے بھی ملیٹے کھاوے اُس سے چھٹکارا نہیں ہے۔
و پیشواؤں لیڈروں، ڈکٹیٹروں سے نجات ہے۔ یہ لامذہب ضرورت مذہب۔ پیشوایان مذہب کا تمسخر کرتے ہیں، اور ناامنی کو مذہب و پیشوایان مذہب کے سر تھوپتے ہیں۔ حالانکہ ناامنی، خوں ریزی، کشمکش حیات کی ذمہ داری الخیں لمحدوں پر تمامتر عاید ہوتی ہے۔ ابتدا میں جنگ و کشمکش حیات کے صرف دو محاذ تھے۔ ایک مذہبیت دوسرے لامذہبیت۔ آج بیسیوں محاذ جنگ ہیں۔ قومیت، وطنیت، تجارت، صنعت، معاشرت، معیشت واقتصاد، فسطائیت، اشتراکیت، سامراج، جمہوریت، ڈکٹیٹری وغیرہ وغیرہ
لہذا کہنا پڑے گا کہ روحانیت چونکہ ایک ہے اُن میں کسی وقت اتحاد ممکن ہے۔ جھگڑا اور فساد ہو گا تو اُن ذرایع و وسائل میں جو حصول روحانیت کے ہیں۔ البتہ لاتعداد مادی مطالبات کی کشمکش کے اسباب بھی لامتناہی ہیں، اور اُن کی خود غرضیاں انسانی جان کی دشمن ہیں۔

(۲)

لامذہبیت اخلاقِ انسانی کی تباہی کا موجب ہے

جن نظروں میں کسی کی باز پرس کا کھٹکا نہیں۔ جزا و سزا کا وجود نہیں دنیا میں جو چاہیں مل چل مچادیں۔ پھر ایسوں کو دنیاوی قانون جرائم سے کب بچا سکتے ہیں۔ جرائم کا استیصال ناممکن ہے۔ مقننین تو خود انسان ہیں، جب چاہیں اور جو چاہیں مادی قوت کے بل بوتے پر قانون بناتے رہتے ہیں، جو ہمیشہ جرم سمجھا گیا ہو، وہ ایک وقت میں شہری حق ہو جاتا ہے، ام الخبائث شراب ہی کو دیکھو جرم تھی۔ پھر قانونی آزادی امریکہ نے دیدی)۔ کل تک ہندوستان میں قانوناً منشیات کے لئے آزادی تھی۔ اب قانونی جرم بنایا جا رہا ہے۔

زنا جملہ مذاہب میں اور ملکی قوانین میں جرم تھا۔ آج انھیں قوانین نے آزادی دیدی۔ ایک قوم کو دوسرے ملک میں بسنے اور قیام کرنے کا حق تھا۔ آج دیکھو یہودیوں کی جان پر اسی قانون کی زد سے آبنی ہے۔ قانوناً جو چیز چند روز جرم ہوتی ہے پھر وہی تمدن و تہذیب کا اعلیٰ معیار بنجاتی ہے۔ اس کھیل تماشہ میں حقیقتاً کوئی شے جرم نہیں ہے۔ صرف اپنی پسند جرائم و اخلاق کی تعیین کرتی ہے۔ ملکی و قومی جرائم کی تصنیف جب خود غرضوں کے ہاتھ میں آجاوے تو یہی شکل انفرادی خود غرضیوں میں بھی ہو گی۔ ملک و قوم جس چیز کو جرم سمجھے انفرادی اور شخصی نظروں میں وہ جرم جرم نہیں

ہو سکتا۔ پھر اخلاق و تہذیب کا ٹھکانا کہاں رہا جب روز اُس میں تبدیلی ہے اور پسند پر اُس کا اساس ہے۔

ایک قانونی مجرم جس قدر اپنے جذبات و نظریات سے مغلوب و محکوم ہے، وہ قانونی مخالفت سے سچائی کے ساتھ شرمندہ نہیں ہوتا۔ سزا سے بچنے کی بھی قانونی سو تدبیریں کر لیتا ہے۔ مخفی و پوشیدہ بھی جرائم کرتا رہتا ہے جرائم کی صورتیں بھی تبدیل کر لیتا ہے۔ لیکن مذہب کا پرستار خود اپنے ضمیر سے اقرار جرم کرتے ہوئے شرمندہ ہوتا ہے۔ نفس پر ملامت کرتا ہے، تزکیہ نفس اور ترک جرم کی تیاری کرتا ہے، اور کسی وقت اچھا خاصہ تائب و پرہیزگار بنجاتا ہے۔

ایک حاضر و ناظر سمیع و بصیر، قادر و خالق و عادل کا ماننے والا، غفلت و جہالت سے جرم کرے تو ساتھ ہی ارتکاب جُرم سے متصل قبل جرم یا بعد جُرم توبہ کرتا ہے، اور آئندہ کے لئے عفو و بخشش کی جستجو پر زور روک ہو جاتی ہے۔ اگر بجائے قانونی دھمکیوں کے خوف خدا دلایا جاوے تو تجربہ کر دیکھو کہ دونوں میں سے کون زاید مؤثر ہے۔ لیکن اس مادی دنیا میں مادی سزاؤں کے اعتقاد رکھنے والے اسکو کب مانیں گے۔

مانا کہ قرآن بھی مادی سزائیں دیتا ہے۔ توریت اور وید بھی مادی سزاؤں کے حامی ہیں۔ لیکن دونوں میں فرق ہے۔ ملکی قانون کا مجرم دنیاوی سزا کو اپنی ڈھٹائی سے گوارا کر کے اخروی دائمی سزاؤں سے بےخطر رہتا ہے، اور مذہبی مجرم جرائم کو جانتا ہے۔ حدود و قصاص و دیات

سے عام مخلوق کو آگاہ کر دیا جاتا ہے۔ تبلیغ و تعلیم کا جز و طریقہ رائج ہے
جرائم غیر متبدل اور آئین، مذہبی غیر متغیر ہوتے ہیں۔
ہر ہر فرد انسانی پر واجب ہے کہ اچھی اور بری باتوں کو جانے اور
دوسروں کو بھی تعلیم کرنا واجب ہے۔ شیعہ مذہب میں امر بالمعروف و
نہی عن المنکر واجب ہے، اور جز و مذہب ہے۔ پھر آخرت کی غیر متناہی
سزا کا بھی خطرہ ہے۔ مذکورہ باتوں کے بعد سرکش و سخت دل انسان کو
دوسروں کی عبرت کے لئے سزا دیجاتی ہے۔ ملکی جرم اور مذہبی جرم
کی سزاؤں میں زمین آسمان کا فرق ہے جس کو ان لامذہبوں نے مٹا کر
اخلاق و تہذیب کو بھی فنا کر دیا۔

(۵)

لامذہبیت نے ترقیوں کا بھی خون کر دیا

لامذہبیت نے اپنی انتہائی ترقیوں کو مادیت میں منحصر کر کے
فانی ترقیوں میں خود کو مٹا رکھا ہے۔ کھاؤ پیو، عیش کرو اور فنا ہو جاؤ۔
اس کے آگے کچھ بھی نہیں ہے جس کے سامنے بقا کی منزل ہی نہ ہو
وہ کب صحیح جہد للبقا کر سکتا ہے، نہ حیات صالح کا مالک بن سکتا ہے
بخلاف اس کے روحانیت و مذہب کے سامنے ہر ترقی کے منازل موجود
ہیں۔ اس کی نگاہ میں غیر فانی ترقیاں ہیں۔ وہ سمجھتا ہے میں جتنا معاشی،
معاشرتی، تمدنی، اخلاقی، ترقی کروں گا وہ ابدی ترقی کا ذریعہ ہے۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے جو بوؤگے وہ آخرت میں کاٹو گے (الدنیا مزرعة الآخرة حدیث) زندگی کے جس شعبہ میں جتنی سعی و کوشش کروگے آخرت میں اور دنیا میں اُس کا اجر پاؤگے (لیس للانسان الا ما سعی)۔

(۶)

توحید و خدا کی بے نظیری

خدا کے ماننے والے جنھوں نے خدائی شان کو نہ جانا وہ بھی مشرکانہ عقائد میں مبتلا ہوئے۔ اگر وہ توحید اور حقیقی بے نظیری کو سمجھتے تو کبھی تشبیہات و مثالوں اور تخئیل سے کام نہ لیتے۔ جو ذات محیط کل اور فوق الفوق ہو وہ کسی محدود و غیر محیط شے میں کب سما سکتی ہے۔ کائنات کے اجزا میں اُس کا سمانا محیط کل اور فوق الفوق کا کب مصداق بن سکتا ہے۔ نہ وہ حقیقی توحید ہے، ہمہ اوست اور یہ اعتقاد کہ "مالک کل میں موجودہ کل بیاد اگیت ہے (پوشیدہ تھا) مالک کل جتین جکتی کا بھنڈار ہے اور روح انسان بھی کل مالک سے نکلی ہے"۔

یہی تعلیمیں خدا پرستی چھڑا کر مادہ پرستی کی طرف انسانی رُخ کو پھیر دیتی ہیں۔ اور خدا کے حلول یا خدا کو محل مخلوقات یا مخلوق کو عین خالق بنانے کی تعلیم دیتی ہیں۔ اور تینوں شکلوں میں خدا کی توحید، اُس کی بے نظیری و بے مثالی و لامکانی، اور فوق الفوق و محیط کل

ہونے کا انکار لازم آتا ہے۔ ذرا غور تو کرو۔

(الف) محیط کل بھی کہو اور محدود چیزوں میں الوہیت کو سمیٹ کر مقید بھی کر دو کیونکر ممکن ہے۔

(ب) کائنات کو خدائی مظاہر اور اُس کا جلوہ گاہ سمجھنا شریروں، خبیثوں، کثیفوں میں لا کر الوہیت کے ساتھ گستاخی اور خدائی کی ہتک ہے۔

(ج) سزا و جزا و آواگون کے طریق سے ہو یا بہشت و دوزخ کے ساتھ خود خدا کو سزا و جزا ہو گی۔ وہی تو ہے جو الوہیت کا چولا چھوڑ کر مخلوق کے بھیس میں آیا ہے اور جزا سزا کے کام کرتا ہے۔

(د) موعظہ و تعلیم و تعلم ہادی، رہبر، نبی پیغمبر، اوتار و گرو کی ضرورت کیا ہے۔ جب خدا ہی خدا ہے اُس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ خدا کو نصیحت خود خدا کرے مضحکہ خیز بات ہے۔

(ہ) نبی، پیر و ولی و گرو و دیوتا اور اُن کی امت و چیلے سب خدا ہی خدا ہوئے توحید کہاں رہی عجیب منطق ہے۔

(و) خدا کا تجزیہ و تقسیم کائنات کے ذریعہ پھر محیط کل کہنا غلط ہوگا۔ اور توحید سے انکار ہو گا۔

(ز) تجزیہ و تقسیم ہمیشہ اجسام و مادیات کی ہوتی ہے۔ خدا کو جسم اور مادی قرار دینا ہے۔

(ح) پوجا پاٹ اور عبادت کس کی ہو؟ ذرہ ذرہ کائنات کا تو خدا ہی ہے۔ عابد و معبود خود خدا ہیں۔ خدا اپنی عبادت و پوجا خود کرے اور عبادت

کرنے پیدا ہو۔

(ط) اُس الک کل سے نکلی ہوئی کائنات کل میں کمی اور نقصان پیدا کرے گی، اُس پر طرہ یہ ہے کہ کائنات کو بھی لامحدود و غیر متناہی کہتے ہو خالق و مخلوق میں مساوات ہو جاوے گی۔ پھر خدا فوق الفوق اور بےنظیر نہ ہوگا۔

(ی) الوہیت و مخلوقیت دو متضاد و متباین حیثیتیں ہیں جن کا اجتماع و اتحاد اصول منطقیہ سے بھی غلط اور اصول کیمسٹری سے بھی غلط ہے۔ ان مرکبات کا عالم میں وجود ہی ناممکن ہے، جن کے اجزا میں الفت کیماوی نہ ہو۔ لہٰذا خدائی اور مخلوقی اجزا مل کر کبھی مرکب نہیں بن سکتا۔ جب تک دونوں کی ایک حقیقت نہ قرار دو، اور خدائی منزلت کو نہ گرادو۔

(یا) ہر مرکب کیماوی کے بغیر تجزیہ و تحلیل کے اجزا جدا نہیں ہو سکتے اگر موجودہ کل پیاوا الک کل میں گپت و پوشیدہ ہوتا تو اُس خالق سے جدا ہونے کا بھی امکان نہ تھا۔ جب تک منافرت کیماوی پیدا نہ ہو یا تحلیل و تجزیہ کا عمل جاری نہ ہو۔

موجودہ کل پیاوا اور الک کل تو ایک ہی تھے اُس کا تجزیہ و تحلیل کس نے کی۔ دوسرا کوئی خدا کا ساتھی سنگی نہ تھا، خود خدا نے اپنا تجزیہ و تحلیل کیا، مشیت و ارادہ الٰہی اسی کا متقاضی ہوا اپنا ٹکڑا توڑ کر الگ کر دے، تو پھر سوال ہوتا ہے کہ متضاد قوتیں مختلف و متضاد عناصر کیونکر پیدا ہوئے۔ اجتماعی حالت میں الوہیت جس رنگ میں بھی ہوگی

اُلوہیت کی اس نشری تقسیم میں بھی خواص و آثار اُلوہیت اجزا و افراد سے
کیوں سلب ہو جاویں گے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ خواص و آثار اُلوہیت کے
رکھے گا، اور مخلوق کہنا غلط ہوگا اس لئے کہ وہ خالق کی جنس سے اور اُسی
کا جزء ہیں۔

(ب) یہ کہنا کہ وہ ایک سمندر کے مانند ہے جس کی موجیں کائنات
ہیں۔ یا خدا ایک الکٹری پاور ہاؤس ہے جس کی ایجابی و سلبی لہریں یا اُس
نور کی شعاعیں کائنات ہے، اور اسی طرح سے کائنات اُسکی پیداوار ہے
اس قسم کی مثالوں سے کام نہیں چلتا ہے۔ مثال کبھی دلیل نہیں
ہوتی ہے۔ ان صورتوں میں بھی مذکورہ خرابیاں جیوں کی تیوں موجود ہیں۔ کسی
چیز کو خالق کی مثال قرار دینا اُس کی بے نظیری اور فوق الفوق و محیط کل
ہونے سے انکار کرنا ہے۔ الکٹرک پاور چند روز سے معلوم ہوا ہے، اور اب
مادے کا سائنس نے انکار کر کے کائنات کے وجود کا ضامن برقیوں کو
قرار دیا ہے۔

ہزاروں سال کا مسلمہ مسئلہ فرضی اور تخیلی ہو گیا؟ کیا مستقبل کا حشر
اسی کی طرح ہو کر مادہ پرستی کی طرح الکٹرک پرستی سے بھی توبہ و انکار نہ کرا دیگا
یہ سب غلطیاں صرف اس لئے ہیں کہ خدا کی بے نظیری اور توحید کو نہیں
سمجھے۔ اور خدا کو اُس کی مخلوق میں ڈھونڈھتے ہیں۔ ان لوگوں میں اور
آتش پرستوں، سورج پرستوں، انسان پرستوں، نباتات و حیوانات
و جمادات پرستوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اپنی اپنی غلطی میں سب برابر ہیں۔

الکٹرک پرستی آج ہوئی جب اُس کے نام سے کوئی واقف نہ تھا اُس وقت زرپرستی تھی، آتش پرستی تھی، سائنس کے پٹا کھلنے سے کچھ اور پرستی شروع ہو جاوے گی۔

(۷)

واصل باللہ ہونے کی غلطی

خدا کی حقیقی بے نظیری اور محیط کل ہونے کی حقیقت نہ سمجھ کر یہ اعتقاد بھی پیدا ہوا ہے کہ انسان کمال ریاضت و قوت روحانی کی انتہا پر فائض ہو کر واصل باللہ ہو جاتا ہے۔ یا مسیح صلیب پا کر خدا کے تخت اور اُس کے پہلو میں جا بیٹھے۔ یا انسان مکتی پا کر خدا سے جا ملتا اور اُس میں جذب ہو جاتا ہے۔ الفاظ کچھ بھی ہوں مفہوم و مطلب یکساں ہے۔

شیعہ مذہب میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ خدا تک پہنچنا اُس میں مل جانا۔ اُس کے پہلو میں جا بیٹھنا۔ یہ سب خدائی کی حد بندیاں ہیں، اُس کے محیط کل ہونے سے انکار ہے۔ خدائی میں شرک ہے۔ شیعہ مذہب میں صرف قرب الٰہی ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انسانی خلقت سے جو خدا کی غرض تھی اور جس غرض سے خدا نے انسان کو بنایا اُس غرض کو اپنی عملی جد و جہد سے پورا کر دینا، اور فرائض انسانیت کو ادا کر کے اللہ و خالق کو اپنے سے راضی کر لینا اُس کی مرضی کو قریب قریب ادا کر دینا ہے، اور بس۔ نہ خدا تک کوئی پہونچ سکتا ہے اس لئے کہ وہ لامکان ہے، نہ اُس سے مل جل کر کوئی

بیٹھ سکتا ہے۔ جب تک کہ وہ خدا ہی کا سا نہ ہو۔ مخلوق کتنی ہی ترقی کرے وہ خدا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ خدا بے مثل و بے نظیر ہے۔ نہ خدا مجسم ہو سکتی ہے اس لئے کہ شریک خدا اور جزو خدا ہو جاوے گی۔

یہی وہ خطرناک اعتقاد ہے جس نے انسان پرستی کی بنیاد ڈالی پیر و ولی، پنڈت، گرو کی پیداوار شروع ہو گئی، اور مذہبی حکومتیں قائم ہونے لگیں۔ ان گنت پیر و ولی پیدا ہو گئے، اور مریدوں کی ٹولیاں قائم ہو گئیں، اور اسلام چھوٹے چھوٹے حلقوں میں منتشر و تقسیم ہو گیا۔ مطیع بنانے کے لئے اذکار و عبادات و ریاضات کی تصنیف شروع ہو گئی۔

ہندو مذہب میں سنت و گرو پیدا ہوئے۔ شیعہ مذہب بھی ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ خدا کی خدائی کو تو محفوظ رکھا۔ دوسرے مذاہب کی طرح الوہیت میں دست اندازی نہیں کی، لیکن اتنا ضرور ہوا کہ سنت دیگر پیر و مرشد بننے کی چاٹ میں پڑ گئے۔

تحصیل علم معرفت الٰہی اور انسانی فرائض زندگی پورا کرنے کی غرض سے واجب تھی۔ ورع و تقویٰ اپنا تزکیہ نفس اور فرض انسانی تھا۔ مقلد سازی کے لئے نہ تھا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر تو ہر فرد بشر پر واجب تھی۔ عالم و مجتہد پر بدرجہ اولیٰ فرض تھا انھوں نے بھی علمی تقوری سا شدبد ہونے پر حلقہ تقلید کی وسعت پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دی، اور انسانی فرائض زندگی، اور عوام کی حیات صالحہ کی

نشوونما کی فکر چھوڑ کر اُن وسیع فرائض زندگی کو کھینچ کھانچ کر چند مختصر فقہی مسائل میں جمع کر دیا، اور اپنی دنیا کو ایک چھوٹے دائرے میں محدود کر لیا۔ خود بھی خسارے میں رہے اور قوم شیعہ کو بھی خسارا اُٹھانا پڑا۔ شیعہ عام فرائض زندگی سے بے خبر ہو کر اقوام عالم سے ہزاروں منزل پیچھے جا پڑی، اور اپنا خسارہ اس طرح سے کیا کہ ترقی خواہ اور انسانی فرائض کے ادائی کے فطری جذبات اور ماحول کے اثرات نے علمائے ملت کو انسانی ترقی کا سدراہ سمجھ کر بھاری پتھر کی طرح چوم چاٹ کر چھوڑ دیا یا لامذہب ملحد بن گئے۔ یا مذہب کو اپنی سمجھ سے نئی تراش خراش کر کے خود ڈھالنے لگے۔

جب اپنوں کی یہ حالت ہو گئی تو غیر مذاہب کی کیا شکایت، اُن کی دلچسپی کا ہم نے کون سا سامان کر رکھا تھا، غلط رواسم توہم و تخیل پرستی نے اصل مذہب شیعہ کو رواسم و نمائش کا جامہ پہنا دیا، اور اصول مذہب سے زاید رسم پرستی و واہمہ پرستی اشرع کر دی، مثلاً دیکھو نذر و نیاز کرنے والے غیر مذاہب کی اندھی تقلید کرنے والے فیصدی کتنے ہیں اور روزہ نماز کرنے والے کتنے ہیں۔ نذر و نیاز جس کا مذہب شیعہ میں وجود نہ تھا اُس کو جزو مذہب بنا لیا اور چار ارکان مذہب تھے اُن کو چھوڑ بیٹھے۔

تقلید اعلم و فاالاعلم شیعہ مذہب میں واجب تھی جس کا منشا یہ تھا کہ قرآن و حدیث و عقل سے احکام الٰہی کے استنباط و استخراج میں جو اُستاد ترین ہو اُس کے کہنے پر عمل کر کے مرکزیت و تنظیم حاصل کرو۔ ہر کس و ناکس کی

تقلید نہ کرو، اور تفرق و انتشار پیدا نہ کرو۔ خود غرضوں نے اس مرکزیت و تنظیم کو مٹا دیا، اور اپنی جتھا بندی کر کے تصادم و کشمکش کو بڑھا دیا۔
ایسی صورت میں جب کہ مذاہب عالم میں خود غرضوں کو دخل ہو جاتا ہے۔ ایک نقاد کا فرض ہے کہ وہ اس مذہب کی جانچ برتاؤ مذہب کو دیکھ کر نہ کرے، بلکہ اس کی اُن مذہبی کتابوں سے جانچ کرے جس کو وہ الہٰی کتاب و پیغمبر و نبی کی کتاب سمجھتے ہیں۔
یہی استدعا ہماری بھی ہے کہ شیعہ مذہب کو اس کے پیرووں سے نہ جانچو بلکہ عقل و قرآن و صحیح احادیث و سیرت ائمہ ہدیٰ سے جانچ کر فیصلہ کرو۔

(۸)

خدا کی رویت و دیدار

خدا کے متعلق یہ اعتقاد کہ "ایک دن سرت سنگتی کے پورے طور پر پیدا ہونے سے وہ (انسان) کل مالک کا بے غلاف درشن و دیدار کر کے کیرت کرتیہ ہو جاتا ہے (ستیارتھ پرکاش حصہ اول سمید ۳۱) مسلمانوں کا ایک گروہ بھی اس کا قایل ہے۔ شیعہ مذہب میں ہرگز اسکی گنجایش نہیں ہے۔ وہ قایل ہے کہ انسان کی روحانی قوت کتنی زبردست ہو۔ رشی منی، اوتار، پیر و پیغمبر ہر ایک خدائی دیدار سے عاجز ہے۔ روح بھی مخلوق الہٰی ہے، اس کی گبریائی کے آگے روحانی آنکھ

بھی اُسی طرح سے اندھی ہے جس طرح سے جسمانی آنکھ۔

دوسرے۔ بے نظیر و بے مثال ہستی کو کب کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ دکھائی تو وہی دے گا جو نسل، شکل، رنگ رکھتا ہو، اور جو ذات بے مثال بے نظیر شکل و رنگ سے مافوق ہے کب کوئی دیکھ سکتا ہے۔ عقل و سائنس کب باور کرے گی۔ روح۔ ہوا، ایتھر، کو نہیں دیکھ سکتے۔ بیرنگ چیزیں نہیں دکھائی دیتیں خالق کو کب دیکھ سکتے ہو۔

تیسرے۔ جو چیز دیکھو گے کیا سمجھو گے اور کیونکر سمجھو گے کہ یہ خدا ہے کسی شکل و روپ ہی میں وہ ظاہر ہوگا، تو اُس روپ و شکل اور خدا میں امتیاز کیونکر ہوگا۔ سب سے بڑے جانور ہاتھی کی شکل میں آوے یا سورج کی شکل میں یا ایک چمکتی نورانی گنبد کی شکل میں، تو یہ عام مخلوقی شکلیں ہیں۔ اگر ان کے بھی شکل میں آوے تو نئی شکل کہدیں گے، خدائی شکل ہونے کا یقین کیوں ہوگا۔

چوتھے۔ محیط کل کو ایک محدود آنکھ وہ روح ہی کی آنکھ کیوں نہ ہو، کیسے دیکھے گی، اگر دیکھو گے بھی تو جز دیکھو گے جتنا بھی محدود آنکھ احاطہ کر سکے اُسی کو دیکھ سکتی ہے۔ ہمالیہ کی اونچی چوٹیاں نہیں دیکھ سکتے۔ اُس پہاڑ کی لمبائی چوڑائی، پوری شکل نہیں دیکھ سکتے ہو پھر وہ خالق و خدا ہی نہ ہوگا۔

اسی وجہ سے قرآن مجید نے ایک اولوالعزم نبی حضرت موسیٰ کو "لن ترانی" کہکر دوسرے مدعیان رویت کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جھٹلادیا۔

(۹)
شرک باللہ کا سرچشمہ

انسان کا غلط خوف و وحشت شرک باللہ کا سرچشمہ ہے۔ انسان کے موجودہ بعض صفات جن کا اب کوئی مصرف نہیں ہے۔ زمانہ جہالت و بربریت کی یاد تازہ کرتی رہتی ہیں، اُس وقت وہ صفات ضروری تھے جو اُن کے طرز زندگی کے لئے لازمی تھے، اور اب بطور یادگار اُن میں موجود ہیں۔ مثلاً جب انسان جسم کو حر و برد سے محفوظ نہ کر سکتا تھا کھُلے میدان میں زندگی کرتا تھا، اُس وقت اُس کا جسم بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اب اُس کی ضرورت نہ رہی۔ پھر بھی انسان کے تمام جسم کے بال اُس وقت کی یادگار ہیں۔ (دیکھو تفصیل اسکی ڈاروِن کی تھیوری میں)

اجنبی آدمی سے جھجک، اچانک دھماکے اور آواز سے دہل جانا، کسی نئے واقعے سے جو کبھی پیش نہ آیا ہو اور جس کی مضرت کا تجربہ بھی نہ ہوا ہو ڈر جانا یہ خواص قدیم انسانی عادتوں کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں۔

اس دنیا میں ابتدائی قدیم انسان کا جب آیا بہت سے عجائب و غرائب و مناظر اُس کے سامنے پیش آئے جو اب معمولی اور روزمرہ کی باتیں ہیں۔ آسمانی گرج و چمک سے سہم جانا اور چھپنے کی خواہش پیدا ہونا۔ پانی برسنا، اولے گر کر انسان کو اذیت و تکلیف پہونچانا، کھلے میدانوں میں سیکڑوں انسانوں کا اکڑ اکڑ کر مر جانا، ایک بجلی کا گر کر بیسوں کو جلا دینا

ان دیکھی چیزوں کی یہ ضرر رساں حالت غافل انسان کو پانی بجلی و گرج
سے انتہائی خوف زدہ کرنا اور موت و حیات کا فیصلہ اُس کے اختیار میں
سمجھ کر خود کو بے بس اور قوت مدافعت نہ رکھتے ہوئے اُس کو بڑی قوت
والا آسمانی خدا قرار دینے پر جاہل انسان کو مجبور کرتا رہا۔

چوتھا دور چیالوجی کا جب انسانی خلقت زمین پر ہوئی ابر و باد و بارش
و چمک کا طوفانی دور تھا، پانی اور آسمانی آگ کی پرستش اُس کے راضی رکھنے
کے لئے ضروری ہو گئی اور پہاڑوں کی مہلک آتش فشانیوں نے دونوں آگوں
کو ایک ہی قسم کی آگ سمجھ کر آتش پرستی کی بنیاد ڈالی۔ اب جوں جوں زمانہ گذرتا
گیا طلع ابر سے صاف ہوتا رہا، سورج نے بھی ایسے نورانی چہرے کا جاہل انسان
سے تعارف کرایا۔

پھر کیا تھا سورج کو آگ، پانی، اولا، چمک، گرج کی ماں قرار دے کر
سورج پرستی کی بنیاد پڑی۔ آگ، پانی، گرج چمک کا منبع سورج قرار پایا جو تمام
دن بڑی آب و تاب سے حکومت کرتا، لیکن رات ہوتے ہی تاروں سے
مزین خود و غروب ہوتا، اور اپنی کثرت و چمک سے انسان کی دلفریبیاں
ستاروں کے ہاتھ آئی جس کا نتیجہ ستارہ پرستی شروع ہوئی۔ اسی طرح سے
مادیات کی پوجا پاٹ بتدریج واہمہ و تخیل نے پیدا کر دی، جس کو نہایت
دلنشیں پیرایہ میں جناب ابراہیم خلیل اللہ کی زبانی قرآن مجید نے پیش کیا ہے۔
بحث تو صرف چاند تاروں سے کی ہے، لیکن جو واہمہ و تخیل کواکب پرستی
میں کارفرما تھی، وہی جملہ مادیات میں کارفرما ہے، بعد کی نسلوں نے توارث

کے طور پر اُن کی پوجا کی، اسی خوف و طمع نے انسان پرستی کی بنیاد ڈالی، جوں جوں زمانہ گذرا تجربہ بھی مناظر قدرت سے بڑھتا گیا، عقل بھی تجربے نے کچھ سکھائی۔ بعض انسان زاید ذہین و ذکی تھے بعض غبی، ذہین و سمجھدار ہستیوں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ انسان جاہل خوف دلانے والی چیزوں سے ڈر کر اطاعت و پرستش کرنے لگتا ہے۔

ان چالاک انسانوں نے اس امر میں غور و خوض شروع کیا کس طرح سے دوسروں کو اپنا آلہ کار بنایا جاوے، اور کمزوروں، احمقوں کو اپنی اطاعت پر مجبور کیا جاوے۔ انھوں نے اس غرض کو پورا کرنے کے لئے مختلف چالیں چلیں، اور قوت و غلبہ و جتھا بندی کی نمائش کر کے کمزوروں کو مغلوب و مطیع بنایا، اور اپنی پوجا پاٹ اور خدمت لینے کی بنیاد ڈالی۔ بجائے خدا پرستی انسان پرستی شروع ہوئی۔ بالآخر یہی چالاک و قوت دار انسان خدا کے شریک دیوی دیوتا، گرو، پیر و مرشد بننا شروع ہوگئے، اور سلطنتوں کی بنیادیں بھی پڑیں، اور حکومت کی چاٹ نے مذہب کی نئی نئی بنیادیں ڈالیں حکومتی نئے نئے قانون بننا شروع ہوگئے۔ وحدت انسانی کا خاتمہ ہوا اور تمام شرف و عزت، خباثت و نجاست سے ملیامیٹ ہوگئے۔

(۱۰)

شرک کے بدترین جرائم

(۱) خدائی منزلت سے انکار اُس کی کبریائی و بزرگی سے انکار ہے۔

خدائی کبریائی کیا ہے جس میں اُسی کی مخلوق اور بنائی ہوئی چیزیں شریک کی جاویں اور خدا کا جز بنجاویں، اُس کی مخلوق کی کیا ہستی جس میں اُسی کی کل سمٹ کر آجاوے وہ بے ہمتائی و بے مثالی کیسی جس کے مظاہر اُس کے ادنیٰ مخلوق ہوجاوے۔ بیشک خدائی کی تحقیر و تذلیل ہے۔

(۲) انسان اشرف المخلوقات کی خود تحقیر ہے، اپنے پست ترین شے کو خدا کا شریک بنا کر اپنے اوپر اُس کو تفوق دینا اپنی خودداری اور صحیح افتخار کو مٹاتا ہے۔

(۳) انسانیت کے لوازمات و فرائض و خدمات کو ملیامیٹ کرنا ہر اور آئندہ کی ترقیوں کا خون کرنا ہے۔ جن چیزوں کو آزادانہ مصرف میں لا سکتا ہے، جب اُن کو اپنے سے بہتر سمجھے گا تو کیا خاک اُن میں تصرف کرے گا اُن کے وجود و خلقت کو بیکار کر دے گا، اور بے مصرف چھوڑ دے گا اور اگر مصرف میں لاوے گا تو اپنے ہی معبودوں اور شریک معبود کی انتہائی تحقیر و تذلیل کرے گا۔

(۴) حماقت و بے عقلی ہوگی اپنے ہی ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز جو اپنی مدد نہ کرسکے نہ دوسروں کی مدد کرسکے اُن کو ذریعہ و وسیلہ خدارسی کا اور مکتی کا بنانا۔ گنگا مائی، گاؤ ماتا، پیپل و تلسی صلیب ہو یا نعل خر عیسیٰ کسی چیز کو خدائی میں شریک کرنا یا اُن کو ذریعہ و وسیلہ خدارسی کا بنانا یا مظہر ذات الٰہی سمجھنا کفر و شرک و حماقت ہے

تعظیم و احترام و تقدیس ان چیزوں کی اس غرض سے کہ اُن کی

آخری نسبت خدا ہی کی طرف ہے، اور شعائر اللہ ہیں، درحقیقت خدا کی تعظیم واحترام ہے، اور خدائی نسبت ہونے کی وجہ سے اُن کی توہین جو کہ خدا تک پہونچتی ہے، اس لئے حرام ہے۔ ورنہ کنیسا ہو یا مسجد و خانۂ کعبہ دیول ہوں یا مندر نہ اُن میں خدا رہتا ہے نہ وہ ذریعہ خدا رسی ہیں۔ نہ مظاہر ذات الٰہی ہیں۔ ایسا سمجھنا شرک باللہ اور کفر و حماقت ہے۔ خانہ کعبہ اور مساجد نبیوں اماموں کے مزار، چاہ زمزم و حجر اسود، دلدل، علم، تابوت و تعزیہ وغیرہ کی شیعہ مذہب میں تعظیم واحترام صرف اُس لگاؤ اور تعلق کی وجہ سے ہے جو اُن کو خالص خدائی کاموں سے ہے، اور الٰہی کارناموں کی اُن سے یاد قائم رہتی ہے، اور آثار قدیمہ اُن بزرگ مقدسوں کی ہیں جو محض بقائے دین الٰہی و تقوی پرستی میں مرمٹے، اور متقیوں کی عزت واحترام بھی صرف اس غرض سے ہے کہ خدا نے خود اُن کو عزت دی اور قابل احترام بنایا۔

(ان اکرمکم عند اللہ اتقکم) خدا اُن کو دوست رکھتا ہے، اُن کے اعمال یقینی خدائی درگاہ میں مقبول ہیں۔ خدا اُن کے ساتھ ہے۔ خدا جس سے دوستی کرے اُس سے دشمنی بیشک خدا سے دشمنی ہے، اور خدا کی نافرمانی ہے۔

متقیوں کی بنائی ہوئی چیزیں جس میں خدائی محبت ہو اُس کے بندوں کے لئے وہ شے بیشک مقدس و محترم ہے۔ اُن سے محبت خدا سے محبت ہے جو بالواسطہ ہے، اُن سے عداوت بالواسطہ خدا سے عداوت ہے اسی لئے قرآن مجید نے اُن کی محبت کو فرض قرار دیا ہے، اُن کی عداوت

کو اپنی عداوت بتایا ہے۔ اُن کی تعظیم کو اپنی تعظیم قرار دیا ہے۔ رسولِ خدا کی بھی
یہی تعلیم تھی۔ نعوذ باللہ نہ ہم اُن کو خدا کا جزو سمجھتے ہیں، نہ شریکِ خدا سمجھتے ہیں
نہ اُن میں خدا کے حلول کے قائل ہیں۔ یہ سب شرک و کفر ہے۔

(٥) دیوی دیوتا، پیر و ولی، امام، پیغمبر و نبی، گرو، بادشاہ کو نعوذ باللہ مظہر
ذاتِ خدا کہنا اور اُن میں خدا کا جلوہ ہونا، شریکِ خدا بنانا اور وحدت
انسانی کا خون کرنا ہے۔ جس چیز اور جس منصب کو وہ خود اپنے لئے پسند
نہ کرتے ہوں اور قرآن مجید کی صاف و صریح سیکڑوں آیتیں جس کی رد
کرتی ہوں اُس ایک خدائی مخلوق اور انسان کو متصف بخدا کرنا، قرآن مجید
کو جھٹلانا اور تاویلیں کر کے صاف و صریح بیانوں کی توڑ مروڑ کرنا ہے۔

(٦) یہی شرک وہ گناہِ عظیم، اخلاق و تمدن کا ہے، جس نے عالم کے
امن و امان کو مٹا کر کرۂ ارض کو آتش فشاں ہمیشہ کے لئے بنا دیا ہے۔ وحدت
انسانی کو مٹا کر مساوات، ہمدردی، ایثار و احترامِ حقیقی کو انسان کے مٹا کر
بغض، حسد، کینہ، عداوت، شیخی و تکبر، بیجا تعلّی و تفوق و امتیاز، فتنہ و فساد
قتل و غارت، ظلم و ستم، تحقیر و تذلیل، ناانصافی، سرمایہ داری، سلطنت
و حکومت، فقر و فاقہ و افلاس و نکبت، ایسے بدترین صفات و خصائلِ انسان
پیدا کر دے، جن کا ہر ایک تمدن و اخلاق میں ناقابلِ عفو جرم ہے۔ شیعہ
مذاہب میں جو گناہانِ کبیرہ کہے گئے ہیں، اور جن سے توبہ نہ قبول ہونے پر
دنیا و آخرت میں خدائی عذاب ہوتا ہے، وہ بدترین جرائم ہیں جو دیگر
جرائم کا بھی اساس بنتے ہیں۔ یہی مذکورہ خصلتیں ہیں جن سے شرفِ انسانی

مٹ کر بدترین و نفرت انگیز انسان بن گیا۔ قرآن مجید نے ایسے انسان کو ظلوم جہول، کافر، منافق، مشرک، ملعون، مرتد، شقی، غرضکہ بدترین القبول سے یاد فرمایا ہے۔

ایک با فہم انسان مذکورہ بدترین خصائل و مذموم ترین صفات شرک باللہ کی روشنی میں دیکھے تو اُس کو معلوم ہو گا کہ ہر بدی کا مخزن و منبع شرک باللہ ہے، اور وحدت انسانی کو مٹا کر اور شرف انسانی کو فنا کر کے شرک باللہ پیدا ہوا ہے۔ اگر انسان کے حقیقی شرف کو نہ مٹایا ہوتا، اور اس کی وحدت کو تباہ نہ کیا جاتا تو نہ شرک باللہ ہوتا نہ مذکورہ بدترین صفات کا دنیا میں وجود ہوتا نہ خدا کا خالق خیر و شر قرار پاتا، اپنی صناعی صفات و شرارتوں کو خدا کے سر منڈھنا، اور اس کی فطرت کے مخالف عمل کو الوہیت کے سر منڈھنا شرارت ہے، یہی شرک باللہ ہے جو کشمکش حیات کا منبع و ماخذ ہے، اور تمام فتنوں اور بداخلاقیوں کا سرچشمہ ہے۔

(۷) اس شرک نے سلطنتوں، حکومتوں و ملوکیتوں کی بنیاد ڈالی۔ اگر یہ خدائی چیز ہوتی تو بیشک انبیاء و اوصیاء سب دولت و ثروت و سلطنت و ملوکیت پر اُسی طرح سے مرتے جیسے لوہیت پر مٹے۔

تاریخ کا کوئی واقعہ اور الہامی کتابوں کا کوئی حکم ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جس سے ثابت ہو کہ فلاں نبی و امام و رسول حکومت و سلطنت کے حصول میں جدوجہد کرتے مارے گئے۔ ملوکیت و سلطنت و حکومت تو شیطانی چیز ہے جس نے خدائی میں شرک کیا، وحدت انسانی مٹا کر تفوق و امتیاز

تعلی کے اصول اختیار کئے، اسی لئے توریت کتاب استثنا کی بشارت
مثلیہ میں بتایا گیا ہے کہ "جھوٹا نبی قتل ہوگا"۔ وہ کون سا نبی ہے جو قتل نہیں
ہوا بجز چند نبیوں کے پھر کیا سب جھوٹے نبی تھے؟ نہیں قتل سے مراد
حکومت و ملوکیت کی جد و جہد میں قتل ہونا ہے، جو اس جد و جہد میں مارا
جاوے وہ بیشک جھوٹا نبی ہے۔

سابق میں بادشاہت صرف مشرکوں میں تھی، مذاہب میں اُن کا
وجود نہ تھا، یہودیوں نے سموئیل نبی سے ضد کر کے "ساول" کو بادشاہ
بنوایا، ہر چند "سموئیل" نے سمجھایا خدا سے ڈرایا، نقائص سلطنت بتائے،
یہودیوں نے ایک نہ مانی۔ مذہب میں سلطنت کی حکومت قائم ہوئی۔
(دیکھو توریت میں سموئیل کی کتاب ۸ اور قصہ طالوت و جالوت قرآن میں) لیکن
جن نبیوں نے مثل حضرت داؤد و حضرت سلیمان سلطنت کی انھوں نے
نبوت و انسانیت کا نمونہ پیش کر کے تعلیم دی کہ اگر سلطنت حقہ قائم ہو سکتی
ہے، فرائض انسانیت ادا کرتے ہوئے تو اس طرح سے جیسے ہم نے
سلطنت کی۔

(۱۱)

سلطنت کا طریقہ شرک کی پیداوار ہے

بادشاہت کے تین طریقے ہو سکتے ہیں، وراثتی، جمہوری، قہر و غلبہ سے
تینوں طریقے شیطانی ہیں اور وحدت انسانی مٹانے کی چالیں اور روپ

بدلے ہوئے ہیں، تینوں طریقوں میں تفوق و برتری اور چھوٹے بڑے کا امتیاز ہے، جو فطرت الٰہیہ میں مداخلت ہے، اصول و نتیجہ تینوں کا قہر و غلبہ ہے، کمزوروں اور ضعیفوں کے لئے اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ قوی اور طاقت والوں کی خوش آمد و چاپلوسی سے اپنی جان بچاویں

اُن کی بزرگی و برتری کو مان کر اطاعت و فرمانبرداری کریں اور جو خطاب و لقب وہ اپنے لئے پسند کریں بلا عذر وہی کہنے لگیں اور بڑھتی ہوئی اطاعت کو پوجا پاٹ میں منتقل کر دیں۔ اسی قہر و غلبہ کی لعنت نے انسان پرستی سکھائی جس کی یاد اب تک ان اصطلاحی جملوں سے تازہ ہے، بھگوان، دیوی، دیوتا، ظل اللہ، اعلیحضرت، خداوند نعمت، خلیفۃ اللہ، خلیفۂ رسول، خلیفۃ المسلمین، وغیرہ وغیرہ، اور اسی انسان پرستی نے کمزوروں کو مطیع بنانے میں قوانین و ضوابط کی تصنیف کی غلامی کے قوانین تصنیف ہونا شروع ہوئے، ذات پات، چھوت چھات، راجہ مہاراج، نواب، سردار، امیر، صاحب عالم، اسی شرک کی پیداوار ہے سرمایہ داری حکومت و سلطنت سامراج فسطائیت نازیت، ڈکٹیٹری وغیرہ وغیرہ سب ڈکیتی کی مختلف صورتیں ہیں۔

یہ ہستیاں زندگی میں اپنی پوجا کراتیں۔ مرنے کے بعد انھیں کے مقبروں مجسموں کی پرستش و بزرگداشت ہوتی ہے۔

یہ سب مشترکہ نتائج تفوق و غلبہ حاصل کرنے کے لئے ہیں جن سے ہمیشہ جنگ و جدل، مکاری، حیلہ سازی، اور انسانی خون آشامی کے لئے

نئے نئے بہانے تراشے جاتے ہیں، اور اُن کا نام تہذیب و تمدن رکھا جاتا ہے

موروثی بادشاہ

یہ موروثی سلطنت و سرمایہ داری کسی نہ کسی ڈکیت سے ملی ہوئی ہے ورنہ کوئی صاحب بتا دیں فلاں بادشاہ و رئیس ماں کے پیٹ سے حکومت و ملک ساتھ ساتھ لایا، ان کا شجرہ نسب خواہ مخواہ کسی ڈاکو سے ملتا ہوگا جو سب سے پہلے ملک و حکومت پر قابض ہوا ہوگا۔ معافی و عطیہ بھی کسی ڈاکو کا دیا ہوا ہوتا ہے یہ تو ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی نیک چلنی اور ہر دلعزیزی سے پہلے پہل حاکم بنجاوے

لیکن قوم کو کیا حق ہوگا کہ اُس کی اولاد و اولاد الاولاد سے نسلاً بعد نسل کوئی دوامی معاہدہ کرے اور اپنی آنے والی نسلوں کو ہمیشہ غلامی کے لئے چھوڑ جاوے۔ ابتدائی سلطنتوں میں اس کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا کہ سب سے زائد خطرناک و خونخوار ڈاکو دوسرے قزاقوں کو ملا کر غریبوں، کمزوروں کو اپنی اطاعت و ٹکس کے لئے مجبور کرے، اور یہی قزاقوں کا گروہ اُس کی نسل و خاندان سے معاہدوں کے ذریعہ حمایت کرکے سردار بناتی رہے، اور حکومت کی تائید کے لئے فرضی افسانوں کی گڑھنت ہوتی رہے۔ ورنہ صحیح و مستند کونسی تاریخی شہادت ہے کہ وراثت، اہلیت و قابلیت و استحقاق پر ہوئی تھی۔

اگر یہ صحیح ہوگا تو گدھوں، احمقوں، خونخواروں کی حکومت وراثتی طور پر قائم کرنے میں قدرت کا مذاق ہوگا۔ انگلستان میں "ولیم" کے زمانہ

سے اس وقت تک کتنے بادشاہ گذرے جو نیک دل، رعایا پرور اور رحمدل و عالی دماغ تھے۔ تاریخ خود فیصلہ کرتی ہے۔ اور کون ایسا سمجھدار ہے جو "ولیم فاتح" کو اپنا مورث وجد اعلیٰ قرار دینے پر فخر کرے۔ وہ فرانس کا آوارہ گرد تھا، جو قزاقوں کی ایک مسلح جماعت لے کر انگلستان میں آگھسا اور اہالیان انگلستان کے خلاف مرضی بادشاہ بن بیٹھا جس میں ذرہ برابر روحانی یا مذہبی مادہ نہ تھا "مثال" بیشک قرعہ اندازی سے بادشاہ ہوا۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوا۔ ہندوستان میں آریہ وان آریہ کی حکومتیں کس طرح سے قائم ہوئیں۔ تاریخیں موجود ہیں۔ یہی حال تمام سلطنتوں کا ہے۔ اس وراثتی اصول کے خراب اثرات و برے نتائج سے کون ذی عقل بے خبر ہے۔

اگر اس اصول پر خدائی مہر لگی ہوتی تو ظالموں، احمقوں کی مذمت الہامی کتابوں میں کر کے قدرت مذاق نہ کرتی، اور قہر و غلبہ کی پالیسی وراثتوں کو غصب اور جبر کہکر الٰہی کتابیں غاصبوں اور جباروں کی مذمت نہ کرتیں۔ اور عام سرمایہ داری کی تمام وارثوں میں تقسیم کرا کے تکہ بوٹی نہ کراتی۔ لہٰذا یہ ایک شیطانی چیز ہے۔

جمہوریت

اس بارے میں ہماری کتاب "جمہوریت و اسلام" بہت کافی ہے۔ لیکن مختصر طور پر سنو۔

جمہوریت یا سرمایہ داروں کی ہے، یا عوام اور مزدوروں کی حکومت ہوگی، دونوں طریقوں میں سے کسی میں بھلائی نہیں ہے۔ سرمایہ داروں کی جمہوریتیں عالم بھر میں بہت عرصہ سے تجربہ کی جارہی ہیں اور ان کی

خرابیاں اب پوشیدہ نہیں ہیں، جس لعنت سے چھٹکارے کے لئے دنیا
بیتاب ہو رہی ہے۔
مزدوروں اور عوام کی جمہوریت کا نیا تجربہ اب شروع کیا گیا ہے
اور عالم بھر میں یہ سیلاب آیا ہوا ہے جو دنیا کو بہالیجاوے گا۔ اس کے
خراب اثرات کے لئے اس وقت کوئی عقلی دلیل کارگر نہیں ہے۔ اسلئے
کہ یہ ایک جذباتی رو ہے، اور سرمایہ داری کے انقلاب و انتقام کے لئے
عوام کے جذبات کو برانگیختہ کیا جا چکا ہے، اور یقیناً کامیاب ہو گا۔ اسلئے
کہ سرمایہ داری کے ہزاروں سال کے مظالم کا ردعمل ہے۔ لہذا جو
شئے عقل کی راہ سے دل میں سماوے وہ عقل ہی کی راہ سے نکالی جا سکتی
ہے۔ اور جو شئے جذبات کے ذریعہ دل میں سماوے وہ جذبات ہی کے
ذریعہ نکل سکتی ہے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ خود بادشاہت کسی
نوعیت کی ہو، قہر و غلبہ ہو یا وراثتی یا جمہوری سب ایک ہی قسم کی لعنتیں
ہیں، اور کوئی بھی ان میں کی فتنوں، خونریزیوں، قتل و غارتی، اور انتقامی
جد و جہد سے خالی نہیں ہے۔
کسی خاص سلطنت کو یہ تباہ و برباد نہیں کرتیں، بلکہ ساری دنیا کو
برباد کریں گی، حکومت کا جو طریقہ بھی ہو حکم خدا کے خلاف ہے، اور جہاں
کہیں بھی قایم ہو گا ہمیشہ خونریزی ہوتی رہے گی، جہاں کہیں یہ حکومتیں قایم
ہوں گی، یا تو ان کے لیڈر و پریسیڈنٹ ڈکٹیٹر کی شکل اختیار کر کے شخصی
سلطنت کے مظاہرے کریں گے، اور اس ڈکٹیٹر و پریسیڈنٹ کی پرستش

ہو گی جس کے نمونے آج بھی اس تحریک کے ساتھ ساتھ موجود ہیں۔ اور اس طوفان بدتمیزی کے ختم پر جو تاریخ لکھی جاوے گی اُس سے پتہ چلے گا، اور آئندہ نسلیں صحیح فیصلہ کریں گی۔

دوسری شکل اس جمہوریت کے پریسیڈنٹ کی یہ ہو سکتی ہے کہ اُسکے سپرد دنیا کے کسی کام کی انجام دہی نہ ہو ساری زندگی اس طرح سے بسر کرے کہ نہ خود اُس کے لئے کوئی مسرت ہو اور نہ قوم کو کوئی مسرت پہونچا وے۔ ایسا پریسیڈنٹ نہ قاضی کا کام انجام دیتا ہے نہ فوجی سپہ سالار کے خدمات ادا کرتا ہے۔ ایسی جمہوریتوں کے پریسیڈنٹ کی ذمہ داری کچھ بھی نہیں ہوتی۔ کیبنٹ کے ہاتھ وہ کٹ پتلی ہوتا ہے اور اپنے نام کے فرمانوں پر صرف دستخط کرنے کے سوا اُس کا کچھ کام نہیں ہوتا۔

قوم کا اپنے میں سے نمائندہ منتخب کر کے بھیجنا اور خوش ہونا کہ ہم شریک سلطنت ہیں اُس کیبنٹ کی غلامی کرنا قزاقوں اور چالاکوں کے گروہ کو سردار بنانا ہے۔ جس کے ہاتھ میں پریسیڈنٹ کٹ پتلی ہوتا ہے اور پبلک بطور غلام کے۔

تیسری شکل عوام کی جمہوریت کی یہ ہے کہ قابلیت واہلیت کی بنا پر آزادانہ عوام جس کو چاہیں اپنا پریسیڈنٹ مقرر کریں اور اُنکو کچھ اختیارات دے کر عزل و نصب محض عوام کے ہاتھ میں ہو۔ ظاہر ہے قوم کے جذبات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے۔ قابلیت و نظریات

بھی افراد کے مختلف ہوتے ہیں۔ لہٰذا کوئی جمہوریت ایک شکل پر قائم نہیں رہ سکتی۔

طوائف الملوکی اور جذر و مد و بحرانی حالت ہمیشہ ایسی سلطنتوں میں رہے گی، پارٹی بازیاں ہوں گی، اور ملک کے اندر کشمکش حیات زور شور سے جاری رہے گی۔ ہر پارٹی اپنے غلبہ کے لئے جائز و ناجائز وسائل اختیار کرے گی۔ اور جبر و تشدد، ہلاکت و خونریزی تک نوبت آوے گی، اور جب تک مغلوب کوئی پارٹی رہے گی کارکن پارٹی کے ظلم و تشدد کا تختۂ مشق رہے گی، اور انقلابی سازشوں میں مبتلا ہو گی۔ بہترین دماغ اور قابل ترین افراد کو بغاوت کے الزاموں میں قتل و حبس میں مبتلا رہنا ہو گا، اور قومی سرمایہ اس طرح سے فنا ہوتا رہے گا جس کا ثبوت جمہوریتیں برابر پیش کر رہی ہیں۔

اُن کی اشتراکی جمہوریت کی حالت دیکھو۔ صرف اختلاف رائے سے کتنے مدبرین و مفکرین سے اتنے عرصہ میں روس محروم ہو چکا ہے، اُن کا ذکر نہیں ہے جو بغاوتوں اور انقلابی سازشوں کے الزام میں موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔

خوب سمجھ لو دنیا کے فتنہ و فساد و بدکاریاں، خونریزیاں اور خدا کی ہر قسم کی نافرمانیاں انسانیت سوز واقعات اسی سلطنت پرستی، حکومت طلبی، جاہ پسندی، و خود غرضی کی وجہ سے ہے، اور وحدت انسانی مٹانے سے یہ سب بلائیں نازل ہوئیں۔ اسی سے شرک باللہ ظلم عظیم

ہے (ان الشرک لظلم عظیم) انسانیت پر ظلم ہے خالق پر ظلم ہے اسی لئے ہر گناہ جس کو خدا چاہے بخش دیتا ہے، لیکن شرک کو وہ کبھی نہ بخشے گا۔ (ان اللہ لا یغفران یشرک و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء سورہ نساء) لہذا اس گناہ عظیم سے زاید کثافت و خباثت و نجاست کسی گناہ میں نہیں ہو سکتی۔

(انما المشرکون نجس) دیکھ لو تمام اُن کتابوں کو جو الہامی کہی جاتی ہیں، اُن میں بجز خدا پرستی شرک کی اجازت نہیں ہے۔ ویدی تعلیم جو بت پرستی کے لئے مشہور ہے سوامی دیانند جی نے ستیارتھ پرکاش میں انھیں ویدوں سے بت پرستی کی ممانعت ثابت کی ہے

رادھا سوامی مذہب، برہمو سماج نے بھی بُت پرستی کا کھنڈن کر دیا ہے۔ توریت، زبور، انجیل، قرآن تو اسی بت پرستی و شرک مٹانے کے لئے آئی ہیں، اور اب تو قریب قریب ہر مذہب توحید پرستی کا مدعی ہے۔ ایک مرتبہ دنیا کو پھر توحید پرستی پر متحد ہو جانا چاہیئے، اور تفرق و انتشار کو مٹا کر وحدت انسانی کو قائم کرنا چاہیئے۔ (قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا بہ شیئا۔ سورہ انعام) اور جب کہ شرک باللہ پر کوئی دلیل نہیں ہے تو کیوں نہ ہم سب مل جل کر مادہ پرستی وطن پرستی، زبان پرستی، پیر پرستی، گروہ پرستی، حکومت پرستی وغیرہ وغیرہ کا خاتمہ نہ کر دیں، اور دنیا کو امن و اطمینان کی سانس لینے دیں (ومن یدع مع اللہ الٰہا اخر لا برھان لہ۔ سورہ مومنون) تمام مذاہب کو

متحد کرنے کے لئے اس سے زائد اور کون سا پیغام ہو سکتا ہے جو ہمارے رسولؐ نے پکار پکار کر عالم انسانیت کو سنایا "اگر تم لوگ میرے دین میں شبہ اور شک کرنے ہو تو اختیار ہے، کم از کم ان لوگوں کے ساتھ تو نجاو جو بجز خدا دوسروں کی عبادت نہیں کرتے، اور خدائے واحد ہی کی پرستش کرتے ہیں، اور خدا ہی کے اوپر ایمان لے آؤ۔ (قل یاایھا الناس ان کنتم فی شك من دینی فلا اعبد والذین تعبدون من دون الله لکن اعبد والذی یتوفیکم وامرت ان اکون من المومنین۔ سورۂ یونس)۔

آج قریب قریب عالم بھر کے مذاہب بجز بعض کے اس پیغام پر لبیک کہہ چکے ہیں، اور خدا پرست ہونے کے مدعی ہیں۔ پھر کیوں چند مشرکانہ رواسم کو بھی نہ نکال پھینکیں۔

دیکھو رسولؐ کی وسعت نظری کو جس نے بحکم خدا توحید پرستی کو اتنی اہمیت دی کہ اپنی نبوت کے اقرار کو بھی ضروری نہ سمجھا، اور اہمیت نہ دی اسی طرح سے ان کے وصی علی ابن ابیطالبؑ نے غصب خلافت، اور غصب حقوق پر تلوار نہیں اٹھائی، اور غنیمت سمجھا کہ ان کے دشمن کم از کم خدا پرستی تو کرتے ہیں، خدا کے حکم پر عمل کیا رسولؐ کی سیرت پر چلے۔

کہا جاتا ہے کہ حکومت پرستی امن و امان کی ضامن ہے۔ کسی نہ کسی قسم کی حکومت ہونا امن کے لئے لازم ہے۔ ہر چند کہ یہ اصول خود حکومت پرستوں کی تصنیف ہے، اور تمام ادلہ و براہین حاکم کی ضرورت پر اُس کی تائید و حمایت کے لئے تصنیف ہوئے ہیں۔

حکومت و بادشاہی ہرگز امن و امان کی ضامن نہیں ہے، ورنہ تاریخ سے ثابت کرنا ہوگا کہ آج تک دنیا میں وہ کون سی سلطنت قائم ہوئی جس میں بحرانی حالت نہ ہوئی ہو، اور ہر حیثیت سے امن رہا ہو، بغاوتیں انقلابات جنگیں، جرائم، سب بند ہو گئے ہوں،

اگر تاریخ یہ ثابت نہ کر سکے تو تمام دلیلیں بیکار ہیں۔ اضافی نسبت سے کہا جا سکتا ہے، قوانین کی سختی اور ظلم سے کچھ دنوں کے لئے ظاہری سکون ہو سکتا ہے، جس کی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے نہ اُس کو دوام ہے۔ امن و امان و حقیقی تسلی و اطمینان کی پوری ضمانت تو حیات صالح و تقویٰ ہی میں ہے۔ جس کو ہم آئندہ آرٹکلوں میں بیان کریں گے۔ ہم عام حکومتوں کو جو دنیاوی قوانین پر قائم ہوئی ہوں یا آئندہ قائم ہوں، اُن کو شرک باللہ ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن متقیوں کی حکومت جو خدائی حکومت اور آسمانی بادشاہت ہے، اُسی کو واحد ذریعہ دنیا کے امن و امان کا قرار دیتے ہیں۔

(۱۴)
کشمکش حیات

دنیا جب سے وجود و شہود میں آئی، عالم کا ذرہ ذرہ کشمکش حیات میں مبتلا ہے، اور اس لئے کہ فنا نہ ہو جاوے جہد للبقا رہی اُسی روز نشور سے جاری ہے۔ خدا سے غافل انسان۔ انسانی فرائض و انسانیت سے بیخبر انسان اپنی بقا کو اُن ذرایع سے حاصل کرنا چاہتا ہے جس میں

کشمکش حیات زیادہ ہو، وہ بجائے بقا و فنا و عدم سے نزدیک تر ہوتا جاتا ہے۔ رد عمل اُس کو فنا کی منزل سے قریب تر کرتا رہتا ہے۔ کشمکش حیات کو بڑھانے والا کسی فلسفے نظر میں عقل و تاریخ کی روشنی میں بقائے صالح کا ہرگز مالک نہیں ہو سکتا، نہ کشمکش حیات مٹا سکتا ہے، نہ اُس کو بقا ہے۔ مشین گن، آیرو پلین، لمبی مار کی توپیں، ڈائنامیٹ، زہریلی گاس، فوجی نظام، سیاسی چالیں وغیرہ وغیرہ کشمکش حیات بڑھانے والی ہیں نہ کہ گھٹانے والی۔

جو قوم شیطنت میں بہت زیادہ ہو سمجھ لو فنا سے وہ زیادہ قریب ہے یہ ایسی باریک باتیں نہیں ہیں جو سمجھ سے باہر ہوں، لیکن بُرا ہو خود غرضی و طمع کا جو اندھا بنائے ہوئے ہے۔ خدا نے ہلاک ہو جانے والی قوموں کے قرآن مجید میں بار بار تذکرے کر کے تاریخی تجربوں سے غافل انسان کو باخبر کیا ہے۔ کبھی کہا ہے کہ "فتنہ قتل سے شدید ترین ہے" کبھی کہا "بعد صلح فساد برپا نہ کرو"۔ مگر لطف یہ ہے کہ یہ خود غرض جاہل ہر نا امنی و فساد کو بقائے امن کے نام سے، اور کشمکش حیات کو کشمکش حیات کے ذرایع و آلات سے مٹاتے ہیں، اور اقوام گذشتہ کی تاریخ سے سبق نہیں لیتے۔

ایک قوم دوسری قوم کو مجبور کرتی ہے کہ وہ سب سے زیادہ ہلاکت آفرین تدابیر کرے، اور اُن شیطانی قوتوں پر فخر کرے۔ قرآن مجید نے اُس کے نتیجہ کو صاف لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ بہت قریب زمانے میں ظالم

دیکھ لیں گے کہ کس انقلاب سے دوچار ہو کر وہ منقلب ہو جاتے ہیں۔
(وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون) ہر زمانے کی
تاریخ ایسے انقلابوں کو دہراتی رہتی ہے۔ دنیا ہی میں ان ظالموں کا جو حشر
ہوا ہے کیا تعلیم قرآن کی تصدیق کے لئے وہ کافی نہیں ہے۔

(۱۳)

کشمکش حیات اور مذہب

جاہل مذہب و خدا سے سرکش کشمکش حیات کا سبب مذہب کو قرار دیتے ہیں، جو سراسر غلط ہے۔ انسان کا جب سے وجود ہوا جہد للبقاء کے لئے ہر فرد بےچین ہے۔ بربریت و جہالت کے زمانے میں بھی جہد للبقاء کے آثار ملیں گے۔ غیر منظم و بے ترتیب سہی۔ اسی جہد للبقاء کی پیداوار مذاہب عالم ہیں۔

اگر مذہب کشمکش حیات کا موجب ہوتا تو فطرت مذہب کی ایجاد پر مجبور نہ کرتی۔ ہر قوم کے رسومات و اعتقادات پتہ دیتے ہیں کہ ان کی ضرورت صرف اپنی بقا کے لئے ہوئی ہے۔ جس قدر تمدن نے ترقی کی، اعلیٰ ذہنیت، اور دماغی قابلیت کو ارتقا ہوا، اتنا ہی جہد للبقاء کے اصول و قوانین کی ترتیب و تدوین ہوئی۔ قوم کو ڈرا دھمکا کر اس کا پابند بنایا گیا، اگرچہ وہ غلط سہی لیکن پھر بھی وہ اصول تو تھے جس کی منظم پابندی قوم کو کچھ دنوں زندہ رکھ سکی بہ نسبت اس قوم کے جو بے اصول اور غیر منظم تھی۔ اس لئے وہ قوم جو منظم ہو چکی

تھی، اپنے رہبر و پیشوا کو خدا کا اوتار، اور اصول و قوانین کو مذہبی آئین سمجھنے لگا۔ اس طرح سے مذہبوں اور بانیان مذہب کا دنیا میں ان گنت وجود ہوا۔
اُن خود ساختہ قوانین کی کمزوری و غلطی کی وجہ سے مذاہب بھی فنا ہوتے رہے، اور وہ قومیں بھی، دنیا میں نہ امن ہونا تھا نہ ہوا، بلکہ دنیا میں اگر پہلے بے اصولی کی جنگ تھی اور بے اصولی کی کشمکش تھی تو جس قدر تمدن نے ترقی کی اور اصول سازی حکماء و مدبرین کے ہاتھوں ہوتی رہی اسی قدر زوروں سے کشمکش حیات بھی جاری ہوئی۔ چھوت چھات، نیچی ذات اور اونچی ذات اسی کشمکش حیات کی پیداوار ہے

مذہب کا غلط استعمال کشمکش حیات کا باعث ہوا ورنہ مذہبوں کی ایجاد تو کشمکش حیات مٹانے کی غرض سے ہوئی تھی۔

چونکہ وہ مذاہب طبعزاد تھے اس لیے اُن میں قوت کشمکش حیات مٹانے کی نہ تھی۔

دیکھ لو آج جب کہ مذہب سے چھٹکارا کر لیا ہے، اور فلسفہ و سائنس معراج کمال پر ہے۔ کشمکش حیات بھی اسی قوت سے ہے جس کی نظیر نہ مذاہب کی تاریخ میں ملے گی، اور نہ زمانہ تاریک میں۔ زندگی کا اب کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جو خطرے میں نہ ہو۔

دنیا کے فلاسفہ کچھ بھی زور لگا دیں، اُن کے ساختہ قوانین میں یہ سکت کہاں کہ وہ کشمکش حیات کو دور کر کے بقائے صالح کو حاصل کر سکیں
بڑے بڑے حکماء و مفکرین نے اصول حکومتی بنائے۔ اسوقت ارگس،

ٹالسٹائی، لینن، اسٹالن، ہٹلر، مسولینی، وغیرہ وغیرہ کا نام لیا جا رہا ہے
لیکن کیا دنیا میں امن ہے یا کوہ آتش فشاں بنی ہوئی ہے۔ امن کے نام پر
جنگیں ناامنی کی تخم پاشی ہے۔ ہر طرف ناامنی کا عفریت ڈکارتا پھرتا ہے
اور تم مذہب کو بدنام کرتے ہو۔

(۱۴)

ہربرٹ سپنسر اور جہد للبقا

"ہربرٹ سپنسر" کے نظریہ کے پجاری کشمکش حیات کے باعث ہیں
یا امن و سلامتی اور بقائے صالح کے وہ جہد للبقا کا اصول قوت میں مضمر
سمجھتے ہیں، ان کی نظر میں بجز قوی کے کمزور کو زندگی کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔
یہ حیاتیات و نفسیات و عمرانیات و سیاسیات و مذہبیات و تاریخ عالم کو
جھٹلاتے ہیں۔

جن کا یہ عقیدہ ہو وہ کشمکش حیات بڑھانے والے ہوں گے یا مٹانے والے
یہ انسانی شرف و بزرگی کے منکر، خدا کی عدالت کے منکر ہیں۔ دنیا کو ناامنی
کی دعوت دیتے اور کشمکش حیات کا باعث ہیں جس کی تصدیق کے لئے
موجودہ یورپی تمدن موجود ہے۔ ان کے لئے صاف و صریح فتوے
تاریخ و مذہب کا یہ ہے کہ خود وہ فنا ہوں گے۔ قرآن مجید ان کے بارے
میں کھلے الفاظ میں کہہ رہا ہے۔

(۱) سیکڑوں تاریخی شہادتیں ہیں کہ بڑی سی بڑی قوت والے، اور

سب سے زاید جمعیت والے آن کی آن میں ہلاک وفنا ہو گئے، اور قوت وجمعیت کا سارا گھمنڈ خاک میں مل گیا۔ (او لم یعلم ان اللہ قد اھلک من قبلہ من القرون ومن ھو اشد منہ قوۃ واکثر جمعا۔ سورۂ قصص)۔

(۲) یہ بھی تاریخ کا ثبوت ہے کہ چھوٹی چھوٹی قومیں بڑی قوتوں کو آسانی سے کھا گئیں، اور دوسروں کا ملک ومال چھین کر خود وارث بن گئیں۔ قوت واکثریت وجمعیت کچھ بھی کام نہ آئی۔ (ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم الوارثین سورۂ قصص)۔ اخسویرس، دارا، سکندر، وقیصر، کسرا، فرعون، بختنصر، کی وہ بے پناہ قوتیں معمولی اور مختصر جمعیتوں نے پاش پاش کردیں۔ جزیرۂ انگلینڈ اپنی کمی تعداد وکمی مال کے باوجود دنیا کے کتنے بڑے حصہ پر چھا گیا جاپان چین کا صوبہ دار آج چین کے لئے ملک الموت بنا ہوا ہے۔ ایسے ہزاروں تاریخی واقعات ہیں جو قوت وکثرت کے پجاریوں کو جھٹلا رہے ہیں۔

سیاسیات عالم بھی مذکورہ نظریہ کی تکذیب کر رہے ہیں۔ قوت وکثرت جمعیت ایک ماہر سیاسیات کے سامنے اپنی شکست کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔

دور کیوں جاؤ، ایران وٹرکی یورپ میں آج سے چند سال پہلے تقسیم ہو چکا تھا۔ رضا شاہ وآتا ترک کی سیاست نے تمام یورپ کے کس طرح سے دانت کھٹے کر دیئے۔ ایک فوجی کمانڈر۔ ایک ڈکٹیٹر بڑی سے بڑی طاقتوں

کو نیچا دکھاتا ہے۔

صلاح الدین ایوبی نے رچرڈ ایسے قوی فیلقن اور اس کے حامی صلیبوں کو کیسی فاش شکست دی۔ روما ایسی قہار سلطنت کو بربریوں نے تباہ کر دیا۔ جناب موسیٰ و ہارون نے فرعونی سلطنت کا تختہ الٹ دیا۔ محمد مصطفےٰ و علی مرتضیٰ نے مل کر مشرکین کا تختہ کیونکر الٹا (کم من فئة غلبت کثیرة) کیا تاریخیں ان سیاست دانوں کو جھٹلا سکتی ہیں۔ روزمرہ کے جنگی واقعات کرنلوں جنرلوں کی قابلیتوں کے کارنامے روز پیش کرتے رہتے ہیں۔

نفسیات بھی "سپنسر" کے نظریہ کو جھٹلاتے ہیں۔ ایک ماہر نفسیات تاریخ انقلاب امم کو جانتا ہے کہ بڑی بڑی سلطنتیں چھوٹی بغاوتوں سے پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ مصلحین عالم اور ریفارمر اپنی نفسیاتی قوت سے بڑی بڑی جمعیتوں اور قوتوں کی شیرازہ بندی کو توڑ کر قوت کو غلام حلقہ بگوش بنا لیتے ہیں۔ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت محمد مصطفےٰ نے بڑے بڑے شاہنشاہوں کو اپنا غلام کس طرح سے بنا لیا۔ ہر مذہب کے پیشواؤں میں کثرت سے ایسے نظائر موجود ہیں۔ لہذا "سپنسر" کا نظریہ غلط ہے۔

"سپنسر" نے اپنے نظریہ کی بنیاد حسب مطالعہ فطرت پر رکھی ہے، وہ جنگلی اور بہیمی ہے۔ اس کو انسانیت و ہمدردی سے قطعی لگاؤ نہیں ہے۔ سپنسر کا انسانوں کو قوی حیوانات و نباتات و درختوں پر قیاس کرنا انسانی شرافت و عزت کو نیابت و حیوانیت کو دعوت دینا ہے۔ ایک پر قوت جانور کمزور جانوروں کو فنا کر دیتا ہے جس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ کمزور کو قوت دار کے

سامنے جینے کا حق نہیں ہے۔

اسپنسر کو حیاتیات کے اس مسئلہ پر توجہ کرنا تھی کہ بڑے اور جسیم

دولت دار، جانوروں اور تناور درختوں کی پیدائش کتنی ہے، علاوہ شمار

سے بڑے جانور زاید ہیں یا کمزور کیڑے مکوڑے اسی طرح سے بڑے درخت

زاید ہیں یا کمزور پودے۔ کمزور حیوانات اور کمزور پودوں کے حلقے اور انکی

عددی افزایش و زیادتی پیدایش کی کوئی حد نہیں ہے۔

اگر اس مسئلہ پر سپنسر غور کئے ہوتے تو مجبوراً کہنا پڑتا کہ فطرت و

قدرت ہرگز اُن قوی جانوروں اور قوی تن درختوں کے ساتھ اچھا سلوک

کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، اور اُن کی بہتات کی حامی نہیں ہے

اسی طرح سے اُن قوی و تنومند حیوانوں کی عمر کو بعض کمزور حیوانوں کی عمر و زندگی

سے مطابق کرتے جو قوی جانوروں کی بہ نسبت زاید عمر رکھتے ہیں۔ تو اُن کو

اقرار کرنا پڑتا کہ قوی کو زاید زندگی کا حق ہے یا کمزور کو، قدرت کب چاہتی ہے

کہ ایسی ظالم و خودپسند، شکم پرور قوتوں کی کثرت بڑھا کر کمزوروں کی زندگی

کا حق سلب کرلے۔

یہی حال انسان کا ہے۔ معمرین عالم کی فہرستیں ظالموں خودپسندوں

کے ناموں سے خالی نظر آویں گی۔

بین الاقوامی معاہدات کی بنا پر آج بھی اقلیتوں کی آزادی اُن کے

حقوق کا تحفظ تمام بڑی سلطنتوں پر عاید ہے، ہر چند کہ عمل اُس کے خلاف

ہو لیکن بہ ضرورت تسلیم کرلی گئی ہے، اور "سپنسر" کے نظریہ کو ٹھکرا دیا

گیا ہے۔

"سپنسر" کے نظریہ کی بنا پر کمزوروں کو زندگی کا حق نہیں ہے، لیکن اُن کو اس کی خبر نہیں ہے کہ کمزوروں میں بھی ایسے افراد پیدا ہوتے ہیں جو قوموں کے باپ ہوتے ہیں، اور انسانوں کے نجات دہندہ اُن کمزوروں کو فنا کر کے قومی سرمایہ کو فنا کرنا اور پولٹیکل اکانمی کا مجرم بنا ہوتا ہے۔

پھر یہ اصول مان لیا جاوے تو ایثار، قربانی، ہمدردی، رواداری محبت کے لئے کوئی جگہ قانون اخلاق میں نہیں رہتی ہے، اور یہ الفاظ شرمندہ معانی نہیں ہوتے۔ کمزوروں کو بیوفائی، غداری، مکاری کی تعلیم دیتا ہے جس سے وہ اپنی زندگی بچا سکیں۔

یہ نظریہ قوت وجمعیت کو خود مٹاتا ہے، وہ جمعیت و قوت کب باقی رہ سکتی ہے۔ جس کے افراد جوہر ایثار و قربانی و فداکاری کے شرف سے محروم ہو جاویں۔ دغاباز، مکار، حیلہ ساز و بے وفا ہو جاویں دیکھ لو بڑی بڑی سلطنتیں اور جمعیتیں پراگندہ و منتشر ہو جاتی ہیں۔ جب اُس کے افراد میں مذکورہ صفات پیدا ہو جاویں۔ تاریخ انقلاب امم میں اس کی بیسیوں مثالیں ملیں گی۔

مختصر یہ کہ "سپنسر" کا نظریہ حیوانی نظریہ ہے۔ اُس کے پجاری آج بھی پستی و زوال کی منزلوں کو تیزی سے طے کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ قانون ردعمل اُن پر پوری قوت سے عمل کر رہا ہے۔ "سپنسر"

کی تکمیل انسانیت کی رفیع منزل تک نہیں پہونچی ہے، وہ انسانیت ہی نہیں جانتے کہ کیا ہے، ورنہ حیوان و نبات پر اُس کو قیاس نہ کرتے جب وہ انسان ہی کو نہ سمجھ سکے تو بھلا خدا کو کیا سمجھیں گے۔

حضرت علی ابن ابیطالب نے کیا خوب فرمایا ہے "جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے خدا کو پہچانا" (من عرف نفسہ فقد عرف ربہ) معرفت الٰہی نہ ہونے کی یہ کرشمہ سازی ہے جس لا مذہبیت کے سوائے کشمکش حیات مٹانے کے لئے اُٹھتے ہیں اور خود کشمکش حیات کی تقویت اپنے غلط اصولوں سے کرتے ہیں۔

(۱۵)

بقائے صالح

بقائے صالح ہی کیا مختصر لفظوں میں اُس کی تعریف یہ ہے کہ "زندہ رہو دوسروں کی بقاء و زندگی کے لئے" یعنی اپنی زندگی کے ہر شعبہ کو خدائی مرضی کے مطابق بناؤ اور اس قابل بنو کہ دوسروں کے ہر شعبہ زندگی کو مکمل اپنے کمل بناؤ اور دوسروں کے لئے بھی ویسی ہی جد و جہد کرو جیسی اپنی تکمیل انسانیت کے لئے تم پر فرض ہے۔ تمھاری زندگی کا یہی ماحصل ہو اور اسی کوشش میں تم مرمٹو

سچے اور مکمل نمونے بقائے صالح کے انبیاء و مرسلین و ائمہ طاہرین (ع) تھے۔ اُن کی تعلیموں اور سیرتوں کو کتب تاریخ میں پڑھو، اور اُن کی فداکاریوں،

کو دیکھو جس کی نظیر انسانی تاریخ میں تم کو نہ ملے گی اُس وقت تم کو مجبوراً اقرار کرنا ہوگا کہ یہ مذہب ہی سچا ہی خواہ انسانیت کا ہے، اور بین الاقوامی عدل وانصاف و محبت کا تنہا یہی مذہب ضامن ہے

شیعہ مذہب میں تو "سپنسر" کے نظریہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ وہ مظلومیت کی زندگی کو ظالمانہ زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ شیعہ تمدن کا اساس تو اس پر ہے " زندہ رہو دوسروں کی بقا روزندگی کے لئے" یہی زندگی افضل صالح ہے، اور کشمکش حیات مٹانے کا ذریعہ ہے۔ اُس کی بنیادیں ایثار و قربانی، ہمدردی و محبت پر ہیں، اُس کی بقا شہیدوں کے خون سے ہے۔ اُس کا اہم فریضہ کمزوروں کی مدد کرنا ہے۔

شیعہ مذہب عام انسانیت کا شرف اسی میں سمجھتا ہے کہ ہر فرد میں وہ جذبہ پیدا ہو کہ اپنی زندگی کا ماحصل دوسروں کے زندہ رکھنے میں قرار دے۔ دیکھو ایک ذی روح اسی وقت تک زندہ رہ سکتا ہے، جب تک اُس کے جسم کے کرات حیاتی میں شوق اور عشق اس کا ہو کہ وہ دوسرے کرات حیاتی کی زندگی کا معاون رہے اور اسی میں اپنی زندگی اور حیات کا راز مضمر سمجھے۔ یہی حال قوموں کی زندگی کا ہے، اُس کے افراد میں یہی جذبہ عشق جب تک نہ ہو وہ قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہی فتوے سیوسیالوجی اور عمرانیات کا ہے اور یہی شیعہ مذہب کا اصلی اصول ہے۔

شیعہ مذہب وحدت انسانی، وحدت وطنی، وحدت مذہبی، وحدت لونی، وحدت لسانی کا قایل ہے (دیکھو آئندہ آرٹیکلوں میں)۔

اس اعتقاد کی بنا پر تمام منتشر و پراگندہ انسانوں کو وہ جسم واحد کی طرح
زار دیتا ہے، اور افراد انسانی کو مثل جسم کے ذرات حیاتی کے جو ایک جسم انسانی
کے ہیں، اُس کے تمام اعمال و افعال و عبادات اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس
بند و گرداں گے۔ نماز ایسی اہم عبادت قضا کر دینا اور توڑ دینا ہوگی، اگر کسی دوسرے
کی زندگی کا تحفظ اس کے ذمہ عاید ہو جاوے۔

جاد، جان لینے کے لئے نہیں ہے، بلکہ مظلوموں، حق پرستوں کمزوروں
کی جان بچانے کی غرض سے ہے۔

خمس و زکوٰۃ کا وجوب وقف سے استمراری مخلوق خدا پر خیرات و رد مظالم
دوسروں کی فلاح و بہبودی و فاقہ شکنی کے لئے ہے۔ روزہ اقتصادی نقطہ نظر
ے اپنا کھانا ایک وقت دوسروں کی افطاری فراہم کرنے کے لئے ہے
جس کا بحساب ثواب ہے، نکاح بنی نوع انسان کی نسلی افزائش کیلئے ہے۔
طلاق، نفرت عداوت و سخت دلی کی غرض سے نہیں ہے بلکہ معاشرت
کی آزادی، ابنائے مجلس کی فلاح کے لئے۔

میراث۔ خاندانی بہبودی و ترقی کے لئے ہے، اور دولت کی روک،
سرمایہ داری مٹانے کے لئے ہے۔

کفارات، میں دوسرے ہمجنسوں کو فائدہ پہونچانا ہے۔

حج۔ دور و دراز ملکوں کے باشندوں کے اخلاق، معاشرت،
تمدن وغیرہ کی اطلاع حاصل کرنے، اُن سے میل جول کرنے، اُن کی اصلاح
حال کی فکر کرنے کی غرض سے ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ مذکورہ

عبادات میں اور کثرت سے افادی پہلو ہیں۔

غیبت کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تعبیر کیا ہے بجز ظلم کی شکایت کے کسی کی بُرائی کرنے کو علانیہ منع کیا گیا ہے (سورہ نساء)

منکرین خدا و ملحدین کو گالی دینے کی اس لئے ممانعت ہے کہ وہ عداوت سے خدا کو گالی نہ دیدیں (سورہ نساء)

کسی مذہب کے طریقے و راستے میں رکاوٹ پیدا کرنا اور جھگڑنا منع ہے۔ اُن کو خدائی راستہ پر دعوت و ہدایت کرنے کا حکم ہے (سورہ حج)

جس مذہب میں اتنی رواداری اور انسان کی عزت ہو اُس مذہب میں اسپنسر کی نظریہ کی کونسی گنجائش ہے۔

جس مذہب میں بجائے صالح اور حیات صالح یہ ہو کہ "دوسروں کے زندہ رکھنے کے لئے زندہ رہو" اُس کی زندگی کے ہر شعبہ میں یہ غرض پوری پوری موجود نہ ہو تو اُس کے لئے بقائے صالح نہیں ہے، اور جس کے لئے بقائے صالح ہے دنیا و آخرت کی زندگی کی جملہ متاع اُسی کے لئے ہے، اور وہی متقی ہے (لما متاع الحیوۃ الدنیا والآخرۃ عند ربک للمتقین۔ سورۂ زخرف)

انسان کی پیدائش کی غرض ہی یہ ہے، اور اُس کا فطری حق ہے کہ وہ زندہ رہے۔ مذہب جان لینے اور دینے کا ہرگز حامی نہیں ہے۔

---

(۱۶)

دنیا و آخرت

دنیا و آخرت کا غلط مفہوم سمجھنے کی وجہ سے بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں۔ خوب سمجھ لو، دنیا کیا ہے، وہ رحمت ہے، خدائی برکت ہے، موجودات عالم کے وجود و پیدائش کا گھر ہے، خدا کا بنایا ہوا امکان ہے۔ اُس کی عزت و عظمت اُتنی ہی ہے جتنی آخرت کی۔ اس لئے کہ دونوں کا خدا ہی خالق ہے وہ حق و صدق ہے۔ زمین و آسمان اور جو کچھ اُن کے درمیان خلق ہوا ہے ہرگز باطل و عبث و فضول نہیں ہے۔ اس کا منکر اُسی طرح سے کافر ہے جیسے منکر آخرت۔ (ما خلقنا السموٰات والارض وما بینهما باطلا ذٰلک ظن الذین کفروا) جو شئے دنیا میں خلق ہوئی ہے حق ہے۔ "ما خلقنهما الا بالحق"۔ یہ دنیا و کائنات بڑی حقیقت اور بڑی سچائی ہے۔ اور اُس کی تمام نشانیاں آسمانوں زمینوں کی مومنوں کے لئے ایمان کی نشانیاں ہیں: "ان فی السموٰات والارض لاٰیٰت للمومنین"۔

جس انسان نے اس کائنات و دنیا میں بے بصیرتی کی، یعنی اُس کو بیکار و معطل چھوڑ دیا، اُس میں غلط تصرفات کئے یا اُن کو باطل و لغو سمجھا وہ اس دنیا میں اندھا ہے اور دنیاوی اندھا آخرت کا بھی اندھا ہے اور گم کردہ راہ ہے، اور گمراہ ہے۔ "من کان فی هٰذه اعمٰی فهو فی الاٰخرة اعمٰی واضل سبیلا"۔

آسمانی بادشاہت اور خلافت الٰہیہ زمین کی یہ ہے کہ دنیا کو مثل آخرت برحق سمجھ کر دار عمل قرار دو، اور کائنات کے ذرے ذرے کو اپنا مصرفِ عمل قرار دو تب ہی تم خدا کے صالح بندہ قرار پاؤ گے، اور زمین کے وارث بنجاؤ گے، کرۂ زمین کا میراث میں نیک بندوں کے آجانا ہر قسم کے حق تصرف کو ثابت کرتا ہے۔ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحین۔"

کیا خدا کے وہ صالح بندے کہے جا سکتے جو دنیا میں بیٹھے ہاتھ پیر نہ ہلا دیں، اور اُس کا نام توکل رکھیں، یا خود کو طالب آخرت کہکر رہبانی زندگی اختیار کریں جس رہبانیت کی رسولؐ نے سخت مذمت کی ہے۔ غور تو کرو خدا کے صالح بندے زمین کے وارث بن کر کیا مکار پیر ولی عالم مجتہد کی طرح بے ہاتھ پیر ہلائے بیٹھے رہیں گے اور آخرت لے لیں گے۔ اگر ایسا ہی ہے تو اُن کی مثال اُس سرمایہ دار کی سی ہے جو وراثت میں باپ دادا کی بڑی سی بڑی جائداد پاوے، اور قارون بنا بیٹھا رہے اُس کا کوئی صحیح مصرف نہ کرے۔

خدا کی صحیح عبدیت اور حیات صالح یہی ہے کہ تارک الدنیا بن کر یا دنیا کو غیر صالح مصرف و غلط کار بن کر تباہ نہ کرے۔ دنیا کی مذمت و تحقیر جن قرآنی آیات یا احادیث میں ہے۔ خوب سمجھو، وہ کون سی دنیا ہے وہ بے عملوں کی دنیا ہے۔ کھیل کود و تماشہ سمجھنے والوں کی دنیا ہے۔ تکبر و شیخی اور تفاخر و تعلی کرنے والوں کی دنیا ہے۔ انما الدنیا لھو

لعب و زینۃ و تفاخر، غلط کاروں کی دنیا کو اُس کے نتائج کی راہ سے
مختلف طریقوں سے مذمت کی گئی ہے۔

اب آخرت کو سمجھو کہ کیا ہے؟ وہ اِس دنیائے عمل سے تھکے ماندوں
کی راحت کی جگہ ہے، وہ دنیاوی کھیتی کے حاصل اور نفع اٹھانے کی جگہ
ہے۔ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ دنیا کو بیکار و غلط چھوڑ دوگے تو آخرت
میں بھی کچھ نہ پاؤ گے سوائے لعنت و پھٹکار کے۔ اللّٰھم اتنا فی الدنیا
حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار" کا صاف و صریح
مطلب ہے کہ وجود دنیاوی کو نیک بناؤ گے تو آخرت میں نیکی ملے گی۔ ورنہ
عذاب جہنم سے دوچار ہونا ہوگا۔ جو دنیا میں کچھ کر کے نہ دکھا دے گا اُس کا
آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

دنیا کو چھوڑ بیٹھنے والوں کی یہ گت ہوگی، کہ دنیا و آخرت میں ہلاکت
ہوگی۔ ھل یھلک الا القوم الفاسقون "فسق دنیا ہی سے متعلق ہے۔ آخرت
میں فسق و فجور نہیں ہے۔ دنیا میں خلاف مرضی خدا عمل کرنا فسق ہے، اور
نتیجہ اُس کا ہلاکت ہے۔ دنیا و آخرت میں آئندہ آرٹکل میں تم سمجھو گے کہ عملی
زندگی میں خدا کی مرضی کس حیثیت میں ہے۔

(۱۷)

انسانی تقدیس

انسان دنیا و آخرت کی زندگی میں ہر متاع کا مالک ہے۔ اسلئے

مقدس و محترم ہے اور اشرف المخلوقات ہے۔ تمام بر و بحر کا مالک ہے اور پاک و پاکیزہ چیزیں اُس کو خدا نے دے کر اپنی مخلوق کا افضل ترین نمونہ قرار دیا ہے (ولقد کرمنا بنی آدم وحملنٰھم علی البر والبحر ورزقناھم من الطیبات وفضلنٰھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔ سورۂ اسرے)

خدا نے آسمانوں زمینوں کو بنا کر بلندیوں سے پانی برسایا اور اُس سے طرح طرح کے پھل اُگائے، اور دریاؤں میں کشتیاں چلانے کا اصول بتایا نہروں کو انسانوں کے لئے مسخر کیا، اور سورج و چاند، رات و دن کو (انکی افادیت کی غرض سے) انسان کے لئے مسخر کر دیا، اور انسان نے اپنے پروردگار سے جو کچھ مانگا سب کچھ دیا۔

اگر انسان الٰہی نعمتوں کو جو اُس کو دی گئی ہیں شمار کرے تو ہرگز شمار نہیں کر سکتا۔ (اللہ الذی خلق السمٰوات والارض وانزل من السماء فاخرج بہ من الثمرات رزقا وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانھار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنھار وآتٰکم من کل ما سألتموہ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ سورۂ ابراہیم)

غرضکہ دنیا کا ذرہ ذرہ مادہ و مادیات کی ہر شئے انسان اشرف المخلوقات کے قبضہ و تصرف میں ہے، اور وہ سب کا حاکم و مالک ہے، اور انسان کا حاکم و مالک صرف خدا ہے۔ (وسخر لکم ما فی السمٰوات والارض)

آج وہ انسان جمادیات کا مصرف جانتے ہیں، اور کائنات سے خدمت
لینے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ وہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہی حاکم کائنات ہیں۔
اس اعتقاد کی بنا پر شرک خدا کی سب راہیں بند ہو جاتی ہیں، اور بجز خدا
انسان کسی مخلوق کی طرف نہیں جھک سکتا، اور خود انسان کی تقدیس اُسکو
بدی و شرارت و خلاف انسانیت اعمال و افعال سے ایک سد ہے۔
اور کشمکش حیات کی روک کا پُرزور ذریعہ ہے۔ شرط یہ ہے کہ انسان اپنے
نفس کو جان کر شریفانہ بسر کرے۔ اسی کو حضرت امیرؑ نے مختصر الفاظ میں
فرمایا ہے جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے خدا کو پہچانا (من عرف
نفسہ فقد عرف ربہ)۔

ہم مانتے ہیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ذی روح ہے، اور اپنی دنیا میں
ابھی بیکار نہیں ہے۔ اُس کے طبعی و کیمیاوی اثرات ہم پر کبھی ہوتے رہتے
ہیں بلکہ اُنھیں سے ہماری جسمانی خلقت ہوئی ہے، اور جزو بدن ہیں اور
پہلے ہی وہ ہماری خلقت کے مصرف میں آچکے ہیں جس کو حضرت امیرؑ نے
ان مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے کہ "تم اپنے مختصر جسم پر نہ جاؤ تمھیں تو یہ عالم
کبیر (دنیا) پوشیدہ ہے (وفیک انطوی العالم الاکبر)
انسانی کیمیاوی اجزا اور آثار و خواص اسی قول کی تصدیق کرتے
ہیں" اور گینگ کیمسٹری"۔ اور انسانی فزیالوجی اس کا بین ثبوت ہے۔
اسی لئے انسان اشرف المخلوقات ہے، اور اسی بنا پر ہمارے آزادانہ
اور مالکانہ تصرفات تمام موجودات میں بے روک ٹوک ہوتے ہیں۔ ہم جمادیات

کے اثرات سے مدافعت کی قوت رکھتے ہیں۔

نباتات و حیوانات کو انسان چٹ کر جاتا ہے، اور اُن کے کرات حیوانی کو بے روک ٹوک ایک آن میں اپنا جزو بدن بنا لیتا ہے۔ امراض کے بدمعاش جراثیم کو معمولی دواؤں سے فنا کر کے خود کو بچا لیتا ہے۔ پانی کے بدمعاش جراثیم کو ڈگ ڈگا جاتا ہے۔ نباتات سے معمور ایک جنگل کو آگ کی چنگاری سے جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔ اُن کی نسلوں، بال بچوں کے تڑپنے پھڑکنے کا کسی کو بھی خیال نہیں ہوتا، نہ اُن اربوں جانوں کے ملیا میٹ کرنے پر کسی کا دل دکھتا ہے، نہ بزم انسانی میں اُن کی صف ماتم بچھتی ہے۔ نہ انسان پر بربریت کا کوئی اعتراض ہوتا ہے۔

غذائے انسانی و بقائے انسانی بلا اعتراض انھیں کے تعذیہ پر موقوف ہے۔ پھر کون اشرفیتِ انسان سے انکار کر سکتا ہے، اور انسان کی بھگتی میں کون سی شہیں لگتی ہے۔ وہ بے پایاں منافع جو موجودات کے تجزیہ و تحلیل و صنعتوں میں حاصل ہوتے ہیں، جن سے انسانی دنیا آج معراج کمال پر پہونچ گئی ہے، اور متمردانہ و متکبرانہ خدا سے بے نیازی کے راگ گا رہی ہے، یہ اُسی اشرفیت کا بیجا غرور ہے، ورنہ اُس کے قادرانہ تصرفات خود پتہ دیتے ہیں کہ اُس سے بالاتر کوئی ایسی قادر ہستی ہے جس نے انسان کو یہ قدرت و قوت دی جس سے دیگر موجودات دنیا خالی ہیں۔

انسان کی یہ بدبختی ہے کہ وہ خدائی مخلوق سے کام نہ لے اور حاکم ہوتے ہوئے محکوم سے خدمت نہ لے یا اُس کے سامنے جھکے اور خودداری

چھوڑ کر پست ترین و محکوم ترین اشیاء کی غلامی کرے یا اُن کو ذریعہ خدارسی قرار دے۔

جب خدا مانگنے پر انسان کو ہر شئے دینے پر تیار ہے، اور دیتا ہے، صحیح جدوجہد کے بعد اور وعدہ کرتا ہے تو جو مانگے گا وہ پاوے گا، اور جس نے علم و فراست کے ساتھ مانگا پایا، اور جو ہر شئے ملنے پر بھی بےچین رہا، اور جتنا اُس کو ملتا گیا اُس پر قانع نہ ہوا (جیسے ہمارا رسولؐ) اور "رب زدنی علما" کی رٹ لگائے رہا، اور جو حقیقت و کنہ اشیاء دریافت کرنے کے لئے بےچین رہا، اور خدائی نعمتوں کو محدود نہ سمجھا (رب ارنی حقایق الاشیاء کما ہی) اُس کو بیشک خالق نے تمام حقایق کا علم دے کر عام انسانوں سے بالاتر اور جملہ مخلوق کا سب سے بڑا حاکم و متصرف بنا دیا (ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ)

جب عام انسانوں میں مادیات کی کشمکش حیات سے بچنے، اور مدافعت کی قوت ہے تو جو نفوس اور ہستیاں حیات صالح کی مالک ہوں معمولی عقل بھی فیصلہ کر سکتی ہے کہ اُن کی قوت مدافعت کیسی قوی و پرزور ہوگی۔ آگ کا کام جلا دینا ہے۔ ہم فائر بریگیڈ اور پروف اور ایسے ہی کیمیاوی مسالوں سے مدافعت کر لیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کا نمرودی آگ سے بچ جانا۔ یا پانی انسان کو غرق کر دیتا ہے۔ عام انسان اس قوت کی مدافعت آسانی سے کر سکتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کا بنی اسرائیل کو نیل سے نکال لیجانا اور قوت مدافعت

کا استعمال کرنا الٰہی قوت سے انکار کرنا اور مغرور انسان کا اپنے ہی ادراک پر مدافعت کا انحصار کرنا کیسی غلطی ہے۔

اس مقام سے یہ بھی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ، حیات صالح ہی کشمکش حیات کی مدافعت کر سکتی ہے، اور کسی صورت سے مدافعت کشمکش حیات کی ممکن نہیں ہے. اس لئے کہ اُس نے خدا کی دی ہوئی قوت کا مصرف نہیں کیا، اُس نے نہ خدا کو پہچانا نہ خود اپنے کو پہچانا اُس میں حیات صالح کا وجود نہیں ہے۔ اُس کی زندگی حیوانی ہے بلکہ اُس سے بھی بدتر (ھم کالانعام بل ھم اضل سبیلا)

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنی برتری و بزرگی کو سمجھتے ہیں وہ مادیات کی طرف نہیں جھکتے، نہ اپنی ہستی کو بیکار و معطل رکھتے ہیں، بلکہ سعی و کوشش کے اُن کو بہترین پھل ملتے رہتے ہیں۔ (لیس للانسان الا ما سعی وان سعیھم سوف یری) اور معطلی و بیکاری کو انسانی شرف کے لئے بدترین جرم قرار دیتے ہیں۔

(۱۸)

حیات صلح اور عبادت

حیات صالح درحقیقت معبود کی عبادت ہے جو جن و انس کی خلقت کی غرض ہے (ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون) عبادت منحصر ہے معبود کی معرفت پر، اور معرفت معبود موقوف ہے علم پر۔ کاہل و

سُمت انسان نے علم الٰہی کو چند اصول موضوعہ کے دائرے میں بند کر دیا، اور اُس کا نام الٰہیات رکھدیا جو غلط ہے، وہ محیط کل چند اصول موضوعہ سے شناخت نہیں ہو سکتا، اُس کی معرفت اُسی وقت ہو سکتی ہے جب زندگی کے ہر شعبہ کا علم ہو، اور کائنات کے وجود و بقا اور اُن کے ظاہری و باطنی قوتوں اور آثار و خواص طبعی و کیمیاوی کا علم ہو، اس لئے کہ کائنات و موجودات عالم کا مالک انسان کو بنا کر اُس کے خدمات انسان کے سپرد کئے گئے ہیں، اور متصرف کل قرار پایا ہے، اُس کے علم کو بھی لامحدود ہونا چاہیے تاکہ معبود کی جلالت و کبریائی کو پہچانے۔

رسولؐ ایسے انسان کامل و معلم انسانیت اور عالم علوم اولین و آخرین کو خدائی کبریائی کے سامنے اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہوئے کہنا پڑا کہ حق معرفت الٰہی تھا مجھ سے ادا نہ ہوا (ما عرفناک حق معرفتک) اور یہ نادان خدا پرستی کے مدعی اپنی سستی دکاہلی جتاتے ہوئے یہ کہدیتے ہیں کہ جب رسول حق معرفت ادا نہ کر سکا تو ہم سے کب ممکن ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ تم کو معرفت معبود حاصل کرنے سے چھٹکارا مل گیا اور تم الٰہیات کے چند اصول موضوعہ رٹ کر یا خود ساختہ ریاضت و مراقبہ سے عارف باللہ بن گئے۔

بات یہ ہے کہ یہ احمق نہ انسانی ڈیوٹی کو سمجھے نہ انسانیت کو یہ خدائی کبریائی کو کیا سمجھیں۔ خدائی نشانیاں آفاق اور نفوس انسانی میں لامتناہی ہیں، جب تک اُن کو نہ جانو حق تم پر ظاہر ہی نہیں ہو سکتا۔ (سنو یہم

ایاتنا فی الآفاق وفی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق) آفاقی اور نفسی نشانیوں کے جاننے ہی سے ذات حق کی معرفت ممکن ہے جو بغیر ان علوم کے جانے ممکن نہیں۔

قرآن مجید اور احادیث نبوی و تعلیمات ائمہ کی لا متناہی وسعت کو دیکھتے ہوئے علم کے دائرے کو محدود کر دینا، اور معرفت الٰہی حاصل ہونے کا دعویٰ کرنا غلط ہے جس طرح سے ان احمقوں نے معرفت الٰہی کو محدود کر دیا ہے، اور علم چند واجبات و مستحبات کے جان لینے کا نام رکھ دیا ہے۔ اور فضیلت علم کے چند احادیثیں یا قرآنی تعلیم کے مقابلے میں پیش کر کے علم سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی طرح سے عبادت کو بھی چند واجبات و مستحبات کے دائرے میں محدود کئے ہوئے ہیں۔

لہٰذا پہلے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ عبادت کیا شئے ہے۔ تمام وہ فرائض و حقوق جو خدا نے انسان پر عاید کئے ہیں، ان کو زندگی کے ہر شعبہ میں ادا کرنا یہ ہے صحیح مفہوم عبادت کا۔ اگر عبادت کا مفہوم صرف روزہ نماز تک منحصر ہوتا تو انسانی زندگی کا نظام درہم و برہم ہو جاتا، اور انسان اکثر اوقات مقصد حیات پورا کرنے سے قاصر رہتا، زندگی نامکمل و بیکار ہو جاتی حقوق اللہ و حقوق الناس کچھ بھی نہ رہتے۔

صرف روزہ نماز، حج، جہاد، زکوٰۃ میں وجوب کا انحصار ہو جاتا حقوق ناس و حقوق اللہ کا وجوب اسی طرح سے ہے جیسے عبادات کا وجوب جسکے ترک پر عذاب اور قرآنی وعید ہے۔ یتیموں، فقیروں کی خبر گیری و ہر نگہداشت

واجب ہوجاتی ہے۔ عیال و اطفال کا نفقہ واجب ہے۔
ماں باپ کی توقیر و تعظیم واجب ہے۔ میت کا غسل و کفن و دفن
واجب ہے۔ تربیت و تعلیم اطفال واجب ہے۔ امانتوں کی واپسی واجب
ہے۔ حتیٰ کہ روزہ ایسی واجب عبادت احتمال ضرر سے ساقط ہے۔ حفظان صحت
کا خیال واجب ہے۔ جائز سفر کے لئے روزہ قضا کر دینا ہوتا ہے۔ حج اُس وقت
تک واجب نہیں ہے جب تک اپنا اور اپنے عیال کا ایک سال کا آذوقہ
موجود نہ ہو اور اس کا دین مہر ادا نہ کر دیا گیا ہو۔

اب سمجھ سکتے ہو کہ حقوق عباد کی ادائی کو کتنی اہمیت ہے۔ اگر روزہ
نماز ہی میں عبادت منحصر ہوتی تو ان واجبات کی گنجائش کس مقام پر ہوتی
لہذا انسان کی عبادت کا مقصد اُسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب انسان
انفرادی و اجتماعی ہر شعبہ زندگی میں اپنے فرائض کو پورا کرے، اور ہر فریضہ
جو خدا کی راہ میں ہو واجب اور عبادت ہے۔

خوب سمجھ لو حیات صالح کیا ہے۔ زندہ رہو، انسانیت کی زندگی میں
اشرف المخلوقات بن کر دوسروں کی انسانی زندگی کے لئے۔

انسانی زندگی کیا ہے؟ وہ معبود کی عبادت ہے یعنی خدا نے جو
فرائض انسان پر زندگی کے عاید کئے ہیں، اُن کا پورا کرنا، اور اسی عبادت
کے لئے جن و انس پیدا کئے گئے ہیں۔ ہم رسول کی امت مرحومہ جبھی ہیں
جب مقصد حیات کو پورا کریں، اور حقوق خدا اور حقوق عباد پورے ہوں،
فلاح و نجات و بقائے صالح اُسی کے لئے ہے جو عمل صالح کرے۔ تمام

قرآن مجید کو دیکھو تو جہاں تک نجات کا تعلق ہے عمل صالح کے ساتھ مشروط ہے۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمان بحیثیت جماعت خدا کے دست رحمت کے نیچے ہیں، اور متحدہ و متفقہ طور پر جو کچھ بھی وہ کر گذریں خدا اسی کو پسند کرے گا۔ (ید اللہ علی الجماعۃ " " لا یجتمع امتی علی الخطاء")۔ یہی تو یہودی و نصرانی بھی کہتے تھے۔ ہم خدا کی اولاد اور اُس کے محبوب ہیں (نحن ابناء اللہ واحبائہ)۔ قرآن نے اُن کو جواب دیدیا۔ "پھر تم کو گناہوں کی سزائیں کیوں بھگتنا پڑتی ہیں (فلم یعذبکم بذنوبکم)۔ مسلمانوں سے بھی خدا کا رشتہ ناتا نہیں ہے۔

مسلمان محض عقیدے کی بنا پر یا صرف روزہ نماز سے نجات نہیں پا سکتے۔

شیعوں کے فرائض تمام اقوام سے سخت تر ہیں۔ اور قومیں تو اپنے اپنے نبیوں کے حکموں پر عمل کر کے چھٹکارا حاصل کر لیتی ہیں لیکن شیعوں کی ذمہ داری تمام امتوں سے زاید ہے، اس لئے کہ ان کو سابق انبیاء کی تعلیمات بھی حاصل کرنا ہیں، اور اپنے نبی کی بھی۔ (یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک)۔ اسی وقت یہ خیر امت قرار پا سکتے ہیں۔ تمام امتوں سے بہتر عمل کر کے دکھا دیں اسی وقت افضل امم ہیں۔ جو یا دگار جتنی بڑی ہستی کی طرف منسوب ہو گی اتنی ہی زائد اُس کی عظمت ہو گی۔

ہم افضل المرسلین کی امت ہونے کے مدعی ہیں۔ ہماری ذمہ داری بہت زیادہ ہے، اور یادگار رسولؐ ہونے کی حیثیت سے بہترین امم بن کر قابل احترام و عظمت اسی وقت ہو سکتے ہیں جب استحقاق پیدا کریں۔ ورنہ نوح نبی اللہ کا لڑکا نااہلیت کی وجہ سے غرق کیا گیا، تو امت کب اس قابل ہے کہ بغیر عمل خدا کی محبوب بنجاوے، اور ایسی امت کا کوئی منسوبہ خدا کا پسندیدہ ہو جاوے۔

اگر یہ اصول صحیح ہوتا تو نہ سیرت رسولؐ پر چلنے کی ضرورت تھی، نہ احکام خدا کی۔ نہ قرآن مجید کی۔ امت کی کانفرنس ہو کر حلال و حرام سبھی طے ہو سکتا تھا۔ لہذا شیعہ نہ اجماع امت کے قائل ہیں، نہ بغیر عمل بقائے صالح کے، نہ اس عبادت کے جو خدا کی طرف سے نہ ہو، نہ اس عبادت کے جو روزہ نماز حج، زکوٰۃ و جہاد میں منحصر کر دیجاوے۔

بیشک یہ چیزیں خود عبادات اور افضل عبادات ہیں۔ لیکن عبادت کا اصل مفہوم وہی ہے جو ہم نے بتایا ہے، اور ان سب کے لئے انسان پیدا ہوا ہے، اور ان سب کی ادائی خلوص اور محض خدا کی رضا جوئی کے لئے ہو تب ہی مقبول ہے۔ دل آزاری اور دوسروں کے دکھاوے کی غرض سے کوئی عبادت مقبول نہیں ہے۔ نہ خود غرضی کی اس میں کوئی گنجائش ہے۔ (اعبدوا اللہ اور لا اشرک بہ شیئا اور لا تعبدوا الا اللہ) بجز خدا کسی کی عبادت جائز نہیں اور شرک ہے جبتک اخلاص نہ ہو۔

(۱۹)

وحدت انسانی

انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کے بعد یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ یہ شرف کسی خاص فرد انسانی سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ عموم انسانیت کے لئے یہ شرف ہے، اور خلقی مساوات و وحدت ہے، اور اس مساوات کی وجہ سے اس قابل نہیں ہے کہ ایک دوسرے پر تفوق و امتیاز حاصل کرے، اور حکومت جتاوے یا انسان پرستی ہو۔ تمام انسان ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں، اور مختلف شاخوں اور قبیلوں میں منقسم ہوگئے ہیں تاکہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے شناخت ہو سکے۔

انسانوں کے لئے شرف و بزرگی تو اسی کے لئے ہے جو سب سے زاید اپنے انسانی فرائض میں پرہیزگار ہو۔ (انما خلقنکم من ذکر و انثیٰ و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم)۔ تمام انسانوں کا ایک ماں باپ زن و مرد سے پیدا ہونا اُن میں برادری و برابری کا رشتہ قائم کرتا ہے، اور قومی و نسلی تفوق کو مٹا کر انسانیت کی ایک سطح پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے۔

انسان پرستی۔ کبر و نخوت و تعلی و ترفع و حکومت کا خاتمہ کر دیتا ہے اور صاف بتایا ہے کہ انسانوں میں کوئی فرد اس قابل نہیں ہے کہ اُس کا بھائی محکوم بنے یا پوجا پاٹ کرے۔ ان میں نہ کوئی چھوٹا بڑا ہے نہ حاکم و محکوم،

ہے۔ تمام انسانوں کی ایک ہی خلقت ایک ہی طریقہ پیدائش بالکل ایسا ہے جیسے تمام انسان نفس واحد ہیں۔ (ما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ۔ سورۂ لقمان) اسی اعتقاد سے ہر قسم کی کشمکش حیات مٹ سکتی ہے اور انسان حیات صالح کا مالک بن سکتا ہے۔

(۲۰)

وحدت وطن

انسان کے جتنے حلقے اور جماعتیں ہیں خواہ نسل کے اعتبار سے ہوں خواہ وطن کے اعتبار سے، خواہ جنس کے اعتبار سے، خواہ رنگ کے اعتبار سے، خواہ زبان کے اعتبار سے اُن سب کی قدر و قیمت صرف اتنی ہے کہ باہمی شناخت کا ذریعہ ہوں۔ آیہ مندرجہ آرٹیکل بالا میں "لتعارفوا" تمام کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی نسل انسانی کو اور اُن کی نشری تقسیم سے بتاتا ہے کہ اُن میں کوئی تفوق و امتیاز نہیں ہے۔

جغرافی سبب برتری کا سبب نہیں بن سکتا۔ موروثی یکسانیت و مساوات جوں کی توں رہے گی۔ نقل مکانی انتشار و پھیلاؤ سے بڑائی و بزرگی پیدا ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ عام برادری و رشتہ داری میں کیا فرق آویگا بلکہ اس انتشار و پھیلاؤ سے ہر ایک پر یہ فریضہ عاید ہوتا ہے کہ وہ برادری رشتہ اخوت کو نہ توڑے، اور اپنے بھائیوں کو کیسی ہی دور دراز ملک کے بسنے والے ہوں نہ بھلاوے۔ اُن سے میل جول تعارف و ہمدردی کا

تعلق پیدا کریں، برادرانہ برتاؤ برتیں۔ آیت نے وحدت انسانی بتا کر جملہ انسانوں کو پہلے متحد کیا، اور کشمکش حیات کو مٹایا پھر "لتعارفوا" کہکر رشتہ برادری قطع کرنے سے روکا ہے۔ جس طرح سے نسل ایک خاندان ایک، گھرانا ایک، اسی طرح سے سب کا وطن ایک ہے۔ کرۂ ارض سبھی کے بسنے کی جگہ ہے، اور جب ایک ماں باپ کے تمام انسان فرزند ہیں تو وہی گوشہ زمین جو سب کے مورث کی جائے ولادت ہے، اور اسکی اولادوں کی جائے سکونت ہے۔ تو بیشک موروثی وطن بھی سب کا ایک ہی ہوا۔ اگر وحدت نسلی نہ ہوتی تو سب کے وطن بھی مختلف ہو سکتے تھے

پھر بھی یہ سوال رہتا ہے کہ بالفرض سب کے وطن مختلف ہوتے تو اس جغرافی فرق و امتیاز سے انسانی گھرانوں کو کیا بزرگی و شرف ملجاویگا، قطعات زمین کی اچھائی برائی سے اُس کے بسنے والوں کی عزت و شرف میں کیا اضافہ ہوگا۔

کسی قارے میں داخل ہونے سے عام انسانیت کو کیا ملا جاتا ہے، کرۂ زمین تو سارا خدا کا ہے (ان الارض کلہا للہ) اور اُس کے حقیقی وارث تو خدا کے وہ بندے ہیں جو سکونت زمین کی صلاحیت رکھتے ہوں اور حیات صالح کے مالک ہوں (ان الارض یرثھا عبادی الصالحون سورۂ انبیا) اور جو فتنہ پرداز بد اخلاق اور غیر صالح ہیں کسی خطۂ زمین کے باشندے ہوں، وہ ایک سکنڈ کے لیے بھی کسی گوشۂ زمین میں رہنے کے قابل نہیں ہیں وہ فنا کر دئے جاتے ہیں، اور دوسری قومیں اُن کی جگہ

بننا شروع ہوتی ہیں۔ (اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون) انقلاب امم کی تاریخ اس پر شاہد ہے، ان کے آج نام و نشان بھی روئے زمین پر باقی نہیں۔ ان وطن پرستوں کو عبرت وسبق لینا چاہئے۔

یہ جذبہ قوم پرستی، وطن پرستی، زمانہ جہالت کی یادگار ہے، اور جنگلی زندگی ہے۔ شیر، بھیڑیے، ریچھ، اور سبھی درندے اسی طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں، ہر ایک نے اپنی زندگی کا ایک حلقہ بنا رکھا ہے جس میں غیر جنس کے آنے اور رہنے کا امکان نہیں ہے۔ کتا بھی اپنی گلی میں شیر ہوتا ہے۔ بادیہ نشین و صحرائی انسان بھی اسی طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں جو آج تمدن کا طرۂ امتیاز ہے۔

شہری و غیر شہری کا سوال اور قوم و وطن پر یہ دعویداران تمدن وتہذیب مٹے ہوئے ہیں، اور دنیا کو نا امنی سے خاک سیاہ کئے دیتے ہیں۔ آج تک دنیا قوم، قبیلہ، وطن کی منزل سے آگے نہیں بڑھی ہے۔ اپنی نسل جنسیت وطن و جغرافی دائرے کے اندر محدود ہے، اور اس سے باہر کی کوئی وسعت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، اور ان تنگ دائروں کے اعتقاد سے فخر و شرف انسانی کی تذلیل وتحقیر کرتے رہتے ہیں، باہم گرغلبہ و تسلط کے جس قدر مہلک جذبات وتاثرات زمانہ جہالت میں تھے اُس سے زائد ہلاکت خیز اس زمانے میں ہیں۔ آج بھی مثل زمان جاہلیت لاکھوں انسانوں کا خون پانی کی طرح انھیں شیطانی

جذبات کو ابھار کر بہایا جاتا ہے، تاکہ نسل و جغرافی شرف و غرور کو دھکا نہ لگے۔

دنیا کا تمام آباد حصہ قوم و وطن و زبان سے زیادہ کوئی وسیع دائرہ نہیں رکھتا ہے اور اسی پر تمدن کی بنیادیں رکھکر فخر سے اینڈتے ہیں اور زمانہ جاہلیت کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں۔ آج انسانیت پر فخر نہیں ہے بلکہ قومیت و وطنیت پر فخر ہے، اور کشمکش حیات کے لئے پرزور محاذ ہے۔ شاید مذہب ہی کشمکش حیات مٹانے کے لیے ایسے تمام رشتوں کو قطع کردیا گیا ہے، جو انسان نے اپنی بے علمی و کوتاہ نظری سے بنا رکھی تھیں، وہ ان غیر حقیقی چیزوں کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ اس نے انسان کو صرف ایک حقیقی رشتہ کی طرف دعوت دی ہے، اور وہ انسانیت ہے۔

(۳)

وحدت زبان

انسانی عالمگیر اخوت و اتحاد میں اختلاف زبان ہی بہت بڑا سنگ راہ ہے۔ ان ناعاقبت اندیشوں نے زبان کو بھی کشمکش حیات و تفوق و امتیاز کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ یہ بھی کوئی جدید علطی نہیں ہے زمانہ قدیم سے چلی آتی ہے۔ بیبل نے طوفان نوح علیہ السلام سے اس کی تاریخ قایم کی ہے۔ ویدی سنسکرت کو دیوبانی زبان قرار دے کر فخر کرتے ہیں، عرب کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنی زبان پر فخر کرکے اقوام عالم

کو عجمی کہکر گونگا قرار دیتے ہیں۔ آج بھی وہی جذبہ اس نام نہاد تمدن کا
اساس بنا ہوا ہے۔

زمیں اپنی زبان پر مٹی ہوئی ہیں۔ حالانکہ کسی زبان کو موروثی ہونے
کا فخر نہیں ہے۔ ماہرین فلولوجی جانتے ہیں کہ قدیم ترین زبانوں میں بھی
یکسانیت نہ تھی، اور کیوں یکسانیت ہوتی اس لئے کہ زبان کی ضرورت
انسان کی اس حیوانی وابتدائی زندگی میں جب کہ وہ ضروریات زندگی
سے بے نیاز تھا، کیوں ہوتی زبان تو تمدن کی ایجاد ہے۔ زبان تو وہی
عام زبان ہے جو اُن کے مورث اعلیٰ کی زبان تھی۔ اگر اقوام عالم کی زبانیں
قابل فخر وغرور وشرف ہیں تو بیشک ان کا مورث بے شرف تھا۔

اسلام نے اسی اختلاف زبان کے غلط افتخار کو یہ کہکر مٹا دیا کہ
"ہر قوم کی زبان میں اُسی زبان کا ہم نے نبی بھیجا" (وما ارسلنا رسولا
الا بلسان قومه ليبين لهم سورہ ابراہیم)

اگر کوئی زبان قابل نفرت ہوتی تو خدا اُس زبان میں نبی نہ بھیجتا۔
جب خالق نے کسی زبان کا بائیکاٹ نہیں کیا تو مخلوق کو کیا حق ہے جو
زبان کی تحقیر کرے۔

آجکل مدبرین ومفکرین کا خیال ہے کہ جس طرح سے دور حاضر
میں ذرائع آمد ورفت نے دنیا کے گوشہ گوشہ کو آپس میں ملا دیا ہے،
اُسی طرح سے ایک ایسی زبان ہونا چاہیئے جو بین الاقوامی ہو اور عالم بھر
اُسی میں گفتگو کرے۔ اگر یہ نظریہ صحیح ہے تو بتاؤ تمہاری باشرف زبان کا

کیا حشر ہوگا۔

اسلام کی کوئی زبان نہیں ہے۔ جانے بوجھے نبی سریانی، عبرانی، عربی زبانوں میں بول چکے ہیں۔ اور وہ انبیاء جو ہر قوم و ملک میں مبعوث ہوئے وہ انھیں قوموں کی زبانیں بولتے تھے، اور ایک ہی خدا کی طرف سے آئے تھے، اور اسی کے احکام اپنی اپنی زبانوں میں قوموں کو پہنچاتے تھے۔ خدائی وحیاں بھی انھیں زبانوں میں آتی تھیں جو نبیوں کی زبان تھی لہذا زبانوں کا کوئی شرف نہ رہا۔

(۲۲)

رنگ کی وحدت

وحدت انسانی کے مٹانے کے لئے رنگ کو بھی قرار دیا ہے، اور یہ بھی جہالت کی پیداوار ہے۔ رنگ تو وہی چوکھا ہے جس سے خدا نے رنگا ہے (صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ) اور باقی رنگ جغرافی و صناعی ہیں۔ حیاتیات کے جاننے والے جانتے ہیں کہ انسانی مختلف ٹھپے اور رنگتیں صرف آفتاب کی کیمیاوی طبیعی شعاعوں کے کرتب ہیں۔ پھر تمھارا غرور اور فخر کہاں تک حق بجانب ہے۔

ناسمجھ انسان نے قوم، زبان، وطن، رنگ کے الگ الگ چار حلقے قائم کرکے انسانیت کے ایک وسیع و جامع دائرے کو بے شمار چھوٹے چھوٹے دائروں میں بانٹ دیا، اور آج تک یہ جدت پسند احمق

اُسی حماقت و غذہبی جہالت میں مبتلا رہ کر مرتے رہیں۔ اسلام نے صاف صاف بتایا، سب کی ایک نسل ہے سب ایک خدا کی زمین پر بسنے والے ہیں۔

زبان اور رنگ کی بابت فیصلہ کر دیا کہ یہ خدا کی حکمت و قدرت کی نشانیاں ہیں (ومن ایاتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم۔ سورۂ روم) یہ اختلافات ہرگز امتیاز و تفرقہ کی بنیادیں نہیں بن سکتے۔

(۲۳)

مذہبی وحدت

اسلام کی نظر میں تمام وہ مذاہب، جو خدائی مذاہب کہے جاتے ہیں، اور جو سیاسی ضرورتوں سے نہیں بنائے گئے ہیں، اُن سب میں بھی وحدت ہے۔ مذہب توحید کے اقرار کرنے والے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ جن کا ایک خدا ہے اُس کے احکام بھی ایک ہی ہوں گے۔ یہ نہ ہوگا کہ خدا مخلوق میں ایک گروہ کو ایک راستہ پر ڈال دے، اور دوسرے گروہ کو دوسرے راستہ پر لا کر کھڑا کر دے۔

کچھ انبیاء و مرسلین آ کر قوم کو کچھ سکھا دیں، اور دوسرے انبیاء اپنی قوم کو کچھ اور سکھا دیں، اور ایک دوسرے کی مخالفت کر کے تفرقہ ڈالیں اور سب کے سب بے اعتبار اور جھوٹے ہو جاویں۔ اسی لئے

خدائی مذہب عالمگیر ہے اور یکساں ہے۔

قرآن مجید نے سب سے زیادہ اسی بات پر زور دیا ہے کہ کوئی قوم بغیر نبی نہیں چھوڑی گئی۔ ہر نبی کی یکساں تعلیم ہے۔

ہر قوم میں نبی ہوا ہے کوئی قوم بغیر نبی نہیں چھوڑی گئی، اور جو زبان اُس ملک و قوم کی تھی وہی زبان اُس نبی کی بھی تھی۔ یورپ، ایشیا، افریقہ، امریکہ، جہاں جہاں انسانی وجود رہا ہے وہاں نبی ضرور آئے۔

اگر یہ صحیح نہیں ہے تو ہر مذہب سے سوال ہے کہ وہ بتا دے۔ کس لئے خدا نے نبوت و رسالت کو اُسی قوم سے مخصوص کیا، اور عالم پر کیوں محروم رہا۔ رشی، نبی، اوتار، ایک ہی سرزمین پر اور ایک ہی قوم سے کیوں مخصوص ہوئے۔ اس سے زیادہ تنگ نظری کیا ہوگی۔ اسلام کی صداقت کی یہی دلیل ہے کہ وہ وسیع النظر اتنا ہے کہ ہر قوم میں نبیوں اور رسولوں کی بعثت کی تائید کرتا ہے، اور اُن مذاہب کو جھٹلاتا ہے جو اس لطف الٰہی کو اپنی ہی قوم و وطن سے مخصوص سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے۔

(۱) جملہ انسان ایک امت ایک نسل سے ہیں (پھر ایک گروہ کے لئے نبی بھیجا جاوے اور دوسری قوم کو محروم کیا جاوے، یہ کونسی عدالت اور کون سا انصاف ہے) لہٰذا خدا نے نبی بھیجے۔ بشارت و خوشخبری دینے والے، اور ڈرانے والے اور وہ حق کی کتابیں لئے

ساتھ لے کر آئے۔ (کان الناس امة واحدة فبعث الله النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معھم الکتاب بالحق۔ سورہ بقر)

(۲) ہر امت کے لئے ایک گواہ (نبی و رسول) آیا اس کے اعمال کی گواہی کے لئے اور تم کو (محمد مصطفیٰ) ان نبیوں کی نبوتوں کا گواہ بنایا ہے (پھر دوسروں کو کیا حق ہے اپنے نبی کے سوا دوسرے نبیوں کی حقانیت کے منکر ہوں)۔ (فکیف اذا جئنا من کل امة بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا۔ سورہ نساء)

(۳) وہ بھی رسول تھے جن کا ذکر خدا نے ہمارے نبی سے کر دیا، اور بیشک وہ بھی رسول تھے جن کا ذکر خدا نے ہمارے رسول سے نہیں کیا۔ (ورسلا قد قصصنٰھم علیک من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک۔ سورہ نساء)

(۴) تمام جن وانس کو کسی قوم و قبیلہ کے ہوں، کسی ملک کے ہوں، خدا نے رسول بھیجکر ان سے اپنے آیات واحکام کا ذکر کرا دیا تھا اور خدا کی ملاقات کے دن سے ان کو ڈروا دیا تھا (یامعشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم یقصون علیکم ایاتی وینذرونکم لقاء یومکم۔ سورہ انعام)

(۵) خدا نے کسی قوم کو بغیر ہادی نہیں چھوڑا ورنہ اس کی ناانصافی ہوتی۔ (ولکل قوم ھاد)

(۶) ہر قوم وامت کے لئے رسول ہے جب ان قوموں میں رسول

آئے تو اپنی قوموں میں وہ عدالت و انصاف کرتے تھے۔ (ولکل امۃ رسول فاذا جاء رسولہم قضی بینہم بالقسط۔ سورہ یونس)
(۷) اگر خدا کسی قوم کو جہالت میں چھوڑ کر اور نبی نہ بھیجکر اُس پر عذاب کرتا تو بیشک بے انصافی و خلاف عدالت ہوتا۔ لہذا ہر قوم کے لئے نبی بھیجا گیا۔ (وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ سورہ اسریٰ۔)

(۸) خدا نے ہمارے نبی کو حق کے ساتھ خوشخبری اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، اور کوئی قوم و امت ایسی نہیں ہے جو بغیر ڈرانے والے (نبی) کے چھوڑ دی گئی ہو (وما ارسلناک بالحق بشیرا ونذیرا وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر۔ سورہ فاطر) وغیرہ وغیرہ، بہت سی آیتیں قرآن مجید کی اس بارے میں ہیں کہ ہر قوم و ہر ملک میں اُسی زبان کا نبی بھیجا گیا ہے۔ لہذا ہم اُن تمام انبیا کی عزت و احترام کرنے والے اور سب پر ایمان رکھتے ہیں۔

مومن تو وہی ہے جو خدا اور اُس کے ملائکہ اور خدائی کتابوں اور اُس کے کل رسولوں پر ایمان لاوے، اور کسی رسولؐ میں فرق نہ کرے۔ (والمومنون کل امن باللہ وملائکتہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ۔ سورہ بقرہ)
یہ بھی سمجھ لو، قرآن نے نبیوں کی حیثیت، خوشخبری اور ڈرانے والے اور امت کے اعمال و افعال کے گواہ ہونے کی بتائی ہے۔

اس کے سوا کوئی اور حیثیت نہیں تھی۔ بادشاہی و سلطنت، سرمایہ داری اور عسکریت یا خدائی حلول اور اُس کے اوتار ہونے کی حیثیت نہ تھی۔

سب نبیوں کی ایک تعلیم تھی

سب نبیوں کی ایک سی تعلیم تھی۔ اور سب نبی یکساں تعظیم و احترام کے مستحق تھے۔ اس لئے مذہبی وحدت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ کسی نبی، امام، اوتار، دیوی، دیوتا، پیر و گرو کی پوجا بجز خدا جائز نہیں ہے۔ نہ کسی نبی نے اپنی عبادت و پوجا کی کبھی تعلیم دی۔ یہ صرف اُن کے پیروؤں کا غلو ہے۔

خدا تو اکیلا ہے اُس کا کوئی ساتھی سنگی نہیں ہے، اُسکی عبادت میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے۔ سب نبیوں کی یہی تعلیم تھی کہ تنہا اُسی ذات واحد کی عبادت کرو اور کسی کو اُس کی عبادت میں شریک نہ کرو۔ (فاعبدوا الله ولا تشرك به شيئا) وہ سب بھی تو اُسی خدا کی عبادت کرتے، اور یہی دوسروں کو بھی حکم دیتے، اُن کی سیرت کو دیکھیے تو معلوم ہو کہ ہر ایک اُن میں کا عام انسانوں سے زاید مطیع و فرمانبردار خدا کا تھا، اور سب سے زاید خدا کے عبادت گذار بندہ تھا۔ اسی صلہ میں تو اُن کو عام انسانوں پر برتری و تفوق ہوا، اور اسی عبادت خدا نے اُن خاصان خدا کو دیوی دیوتا بنا دیا، ورنہ وہ خود بھی وحدت انسانی میں شامل تھے۔

نسل، زبان، قوم، وطن، اور احتیاج میں وہ سب کے سب

عام انسانی برادری میں شامل تھے۔ تمام خواص انسانیت میں بھی عام کے برابر تھے۔ ماں باپ کے ذریعہ پیدا ہوئے۔ وہی اعضاء وجوارح اُن کے تھے جو عام انسانوں کے تھے۔

سونا، جاگنا، کھانا، پینا، صحت مرض، درد دکھ، موت حیات، سب عام انسانوں کا سا تھا۔ پھر وہ کب دوسروں کو اپنی عبادت کی تعلیم دے سکتے تھے، اگر ان میں کا کوئی بھی اپنی پوجا کے لئے ہم سے کہتا تو بیشک ہم اُن سے کہتے کہ "تم نے کیوں خدا کی پوجا کی چھوڑ دی ہو، اور تم نے خدا کی عبادت میں کس کو ذریعہ و وسیلہ بنایا تھا جو ہم کو خدا کی عبادت کے لئے ایک وسیلہ و ذریعہ پر مجبور کرتے ہو" جب بغیر واسطہ و ذریعہ خدا تک رسائی ممکن ہے، تو ہم کسی کو کیوں درمیانی بنا دیں۔

بیشک ہم ایسے رہبر کو جھٹلا دیں گے جو اپنی عبادت کو خدائی عبادت کا ذریعہ بتا دے۔ ہاں اگر وہ اپنے کو خدائی معلم کی حیثیت سے پیش کرے گا، اور خدا ہی کی طرف بلاوے گا۔ ہم اُس کی تعلیم کی جانچ کے بعد اُس کی اطاعت کریں گے۔

وہ کون انسان ایسا ہو سکتا ہے جس کو خدا اپنی کتاب دے اور حکم و نبوت سے سرفراز کرے۔ اس احسان الٰہی کے صلہ میں وہ خدا کی عبادت چھڑا کر اپنی عبادت کرانے لگے، نہ ہم کو یہ زیب ہے کہ خدا کو چھوڑ کر اُس کے بندے کی عبادت کریں۔

ما کان لبشر ان یاتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول الناس کونوا عبادالی من دون اللہ۔ سورہ آل عمران)

(۲) ہر امت پر جو رسول بھیجا گیا اس لئے کہ وہ اپنی امت سے کہے کہ خدا کی عبادت کرو اور طاغوتوں سے پرہیز کرو۔ یہی ڈیوٹی اور یہی کام ہر نبی کا رہا ہے۔ (ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت۔ سورہ نحل)

(۳) جب روح کے ساتھ خدا نے ملائکہ کو ہر قوم میں کسی پر بھیجا تو اس بندے سے یہی کہلایا کہ وہ لوگوں کو ڈراوے اور سمجھاوے کہ بجز خدا کے کوئی دوسرا خدا نہیں ہے، اور سب کو خدا ہی کی راہ پر پرہیزگاری لازم ہے۔ (ینزل الملئکۃ بالروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ ان انذروا انہ لاالہ الا انا فاتقون۔ سورہ نحل)۔

(۴) ہمارے نبی کے قبل جتنے نبی آئے اُن کو بھی یہی خدائی وحی ہوئی کہ بجز خدا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے، اسی کی عبادت کرنا چاہیے۔ (وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لاالہ الا انا فاعبدون۔ سورہ انبیاء)

تمام انبیاء کی یکساں تعلیم، سب کا بھیجنے والا ایک ہے۔ یعنی خدا جس کا حکم سب نبیوں نے یکساں پہونچایا۔ سب نے اپنے کو ایک خدائی پیغامبر انسان ہی سمجھا۔ خدا نے بھی اُن کو انسانی ہستی

سے کوئی علیحدہ ہستی نہیں قرار دیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مذہبی تفرقہ کا باعث نہیں اور مذہب کو محاذ جنگ قرار دیں۔

وحدت انسانی، وحدت لسانی، وحدت وطنی، وحدت مذہبی کے بعد کشمکش حیات کا خاتمہ ہو کر، انسان حیات صالح کا مالک بنجاتا ہے اور عالم انسانیت ایک رشتہ میں منسلک ہو جاتی ہے۔

(۲۴)

نبیوں کی انسانی شان

پیروان مذہب اپنے غلو و جہالت سے اوتاروں پیغمبروں کے متعلق جو چاہے تعصب سے کہیں، نہ انھوں نے اپنے کو رشتہ انسانیت سے خارج سمجھا، نہ خدا ہی نے اُن کو انسانیت سے خارج سمجھا، اور برابر سے نبی کے لئے جو الفاظ مستعمل ہوئے۔ "بشر، رجل، ناس، عبد" ہی کے ساتھ نبیوں کو پکارا گیا ہے۔ پھر اُن کی شخصیتوں پر (ڑائی جھگڑا) اُن کی پرستش یا اُن کو شریک خدائی سمجھنا ہرگز خدائی تعلیم نہیں ہے۔ دیکھو چند قرآنی آیات۔

(۱) تمام انبیاء و مرسلین قوم سے یہی کہتے رہے کہ، ہم تو تمہارے ہی سے ایک بشر ہیں، لیکن خدا نے ہم پر احسان کیا ہے۔ اور اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے ایسا ہی احسان کرے۔ ہم تو کوئی دلیل و برہان بھی بغیر حکم خدا نہیں پیش کر سکتے (قالت لهم رسلهم ان

نحن الا بشر مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ
وما کان لنا ان یاتیکم بسلطان الا باذن اللہ۔
سورۂ ابراہیم)

(۲) ہمارے نبی سے حکم ہوا کہ قوم سے کہدیں کہ وہ بھی مثل انھیں کے
ایک ہیں۔ البتہ اُن پر وحی آئی۔ (قل انما انا بشر مثلکم یوحی
الی۔ سورۂ فصلت)

(۳) ہمارے نبی کو نبیوں کی ہستی بتاتے ہوئے ارشاد خدا ہے
کہ تم سے قبل اور بہت مرد وحی کر کے بھیجے گئے تھے۔ (وما ارسلنا
من قبلک الا رجالا نوحی الیہم۔ سورۂ نحل)

(۴) لوگوں کو کیوں تعجب ہوتا ہے، اگر خدا کسی مرد پر وحی کرے
کہ لوگوں کو ڈراؤ اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری سناؤ، وہ
خدا کی بارگاہ میں راستباز ہیں۔ ہرگز جھوٹے نہیں۔ تعجب تو ہمیشہ ناممکن
ہی ہوتا ہے۔ کیا خدا ایسی وحی کرنے کی قدرت نہیں ہے۔ (اکان
للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منھم ان انذر الناس
وبشر الذین آمنوا ان لھم قدم صدق عند ربھم
سورۂ یونس)

دیکھو نبیوں نے اپنی بشریت کا اقرار کیا۔ خدا نے اُن کو "رجل
بشر" کہکر عام انسانوں میں شامل کر دیا۔ اُن کی ہستی اور خلقت
کی توضیح کر دی اور عام سطح انسانیت پر اُن کو لا کھڑا کر دیا۔ پھر کر

پیر و ولی کی کیا ہستی ہے جو اُس کی پرستش کیجا وے۔

عام انسانوں اور رسولوں میں صرف یہی فرق ہے کہ ان پر وحی ہوتی تھی، اور بطور مبلغ و معلم خدا کی طرف سے آتے تھے۔

(۳۶)

نبیوں کی وحی و تبلیغی شان

قرآن مجید میں بار بار نبی و عام انسانوں میں فرق بتایا ہے کہ نبی کی تبلیغ و تعلیم بذریعہ وحی الہٰی ہوتی تھی۔ عام معلمین و مبلغین مصلحین سے نبی کو وحی الہٰی سے امتیاز تھا۔ وہ بغیر وحی خدا بات نہ کرتے تھے۔

(ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ)

عوام مصلحین و مبلغین وقت و موقعہ پر جیسا اُن کی سمجھ میں آتا قوم کے سامنے ایک پروگرام ایک اسکیم پیش کر دیتے ہیں۔ نبی کی اسکیم وہی ہوتی ہے جو خدا کی طرف سے نبیوں کو دیجاتی ہے۔ اس لئے اس اسکیم کی مخالفت خدا کی مخالفت ہے، اور اس مخالفت کا ضرر قوم کے لئے لیڈر و مصلح کی مخالفت کی بہ نسبت شدید تر ہے۔ اس لئے کہ خدائی اسکیم و انسانی اسکیم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

انسانی اسکیم میں غلطی و خطا کا امکان ہے جس کی شہادت تاریخی واقعات ہیں۔ اور خدائی اسکیم جو بذریعہ انبیاء قوم کے سامنے پیش ہوتی ہے اس میں غلطی و خطا کا امکان نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ عقل مند دلی انسان

کی اُس میں غلطی تجویز کرے لیکن تم کو تعبداً اُس کو ماننا ہی ہوگا۔ جیسے ایک ڈاکٹر مریض کے لئے کوئی تجویز کرے مریض، نہ تیماردار کو کوئی نکتہ چینی کا حق نہیں ہے۔

ایک انجینیر کسی تعمیر کے لئے کوئی رائے پیش کرے، تم اُس میں چون وچرا نہیں کر سکتے۔ خدا مصالح عالم کا جاننے والا حکیم و علیم ہے۔ اُس کے مصالح کے آگے تم کو جھکنا ہی پڑے گا۔ اُس حکم میں تمھارے لئے وقتی کتنا ہی ضرر ہو لیکن آئندہ نسلوں یا تمھارے خود کے مستقبل میں بھلائی ہی ہوگی۔ تعبداً تم کو ماننا پڑے گا، اور خدائی مشیت و حکم کے سامنے جھکنا پڑے گا۔ یہی فلسفہ توکل علی اللہ کا ہے جس میں انسان کو خدا پر بھروسہ کرنا ہوتا ہے۔

دنیا میں اعتماد و بھروسہ ہی کشمکش حیات کا مٹانے والا ہے۔ دیکھو بے اعتمادی نے آج موجودہ تمدن کو کس کشمکش کی منزل پر لاکر کھڑا کر دیا ہے۔

انسان کی حیات صالح کا اساس اسی تعبد و اعتماد پر ہے۔ جب نبی کو خدائی معلم و مبلغ و مصلح مان لیا جاوے گا تو اُسکی اطاعت اعتماد و بھروسہ کے ساتھ فرض ہو جاوے گی۔ مگر اطاعت و احترام نبی کی حد تک۔ خدائی اوتار کہو، سنت یا گرو مہاتما کہو یا نبی اور رسول و پیغمبر کہو، اپنی اپنی زبان ہے جو چاہے کہو اور اُس معلم الٰہی کا نام رکھ لو۔ ولادت و تبلیغ کے سوا وہ عام انسانیت میں شامل ہے۔ نہ اُس کی پوجا پاٹ

ہو سکتی ہے نہ وہ خدا کا شریک ہے۔ ہم کو اُس کے بارے میں ایسا غلو ہرگز جائز نہیں جو خدائی کتابوں کے خلاف اور توحید حقیقی اور خدا پرستی کے مخالف ہو۔ نبی تو پکار پکار کر کہتے تھے۔ "ہم خاص خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں، اور خاص اُسی خدا سے مدد چاہتے ہیں۔ (ایاک نعبد وایاک نستعین۔ سورہ حمد) جو رسول کہتے تھے، اور جس سے رسول مدد چاہتے تھے، عام انسانوں کو بھی یہی تعلیم ہے کہ جس طرح سے بجز خدا کسی کی عبادت جائز نہیں اُسی طرح سے بجز خدا کسی کی مدد نہ چاہنا، اور یہی اخلاص باللہ ہے۔

یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ بغیر خدا سے کون سی استعانت حرام ہے۔ اعانت و استعانت تمدنی دنیا میں تو جانوروں سے بھی لازم ہے، خوب سمجھ لو وہ استعانتیں جو خدائی کاموں میں ہیں، اُس میں دوسروں کی استعانت ناجائز ہے۔

مثلاً۔ موت وحیات، روزی، اولاد کی مانگ پیر و ولی، امام پیغمبر، گرو سے بالکل غلط ہے۔ اپنی صحیح کوشش اور اُس کے ساتھ خدا سے دعا۔ اپنے ہر کام میں سعی و کوشش اور خدا سے مدد چاہنا بس یہی شیعہ مذہب میں جائز ہے، بجز خدا کسی نبی، پیر، ولی، امام سے یہ خواہش کرنا کہ وہ اولاد دیدے، غنی کر دے۔ فلاں مریض کو زندہ رکھے، یا فلاں دشمن کو تہس نہس کر دے، خدائی میں اُن کو شریک کرنا اور حرام ہے۔

وہ خود مختار نہیں، ہم سے زائد وہ مرضیٔ خدا کے پابند اور بے بس ہیں، وہ بھی مذکورہ باتوں میں خدا ہی کے فضل و کرم کے محتاج ہیں۔
اب بتاؤ، جب انبیاء و مرسلین، گروہ دیوتا، خلقت میں، صورت میں، احتیاج میں، انسانی وحدت سے جدا نہیں، تو پھر عام انسانوں کو قوم قبیلہ، نسل، رنگ، روپ، وطن و زبان میں فرق و امتیاز کا کیا حق ہے، اور خواہ مخواہ ایک محاذ جنگ قایم کرتا ہے۔
یہ اختلاف تو خود انسانوں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اگر خدائی اختلاف ہوتا تو حقیقی اختلاف کہلاتا۔ یہ شیطانی اختلاف ہے، اور کشمکش حیات کی تخم پاشی ہے، اور حیات صالح کے لئے بدترین روک ہے۔

(۲۵)

اختلاف کے بانی

اس جہ انسان نے خدا کی فطرت کو جھٹلایا، اُس کی تعلیم و حکمت کو جھٹلایا۔ اپنی خود غرضیوں، جہالتوں، شیطنت سے وحدت انسانی کا ستیاناس کر کے انسانی شرف کو مٹا دیا۔ اس اختلاف کا سارا بار خدا نے خود غرض انسان پر ڈالا ہے۔ تمام لوگ تو ایک ہی امت تھے، انھوں نے خود اختلاف کی بنیاد ڈالی (وما کان الناس الا امۃ واحدۃ فاختلفوا۔ سورہ مومن) پہلے مذہب

پیش پیش تھا، اس لئے نئے نئے مذاہب ایجاد ہوئے جن کا حقیقی منشا سیاسی تفرقہ تھا، اور ہر ایک نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علاحدہ مسجد بنائی مختلف نام رکھکر لڑنے مرنے اور غلبہ و تفوق کا راستہ نکالا۔ اس کی لعنت سے بچنے کے لئے خدا نے نبیوں کو بھیج بھیج کر غافل انسان کو متنبہ کیا۔

(۱) یہودیوں نے کہنا شروع کیا نصاریٰ کوئی چیز نہیں۔ نصاریٰ نے کہا یہودی کوئی چیز نہیں۔ حالانکہ دونوں خدائی کتاب پڑھتے تھے۔ (وقالت الیھود لیست النصاریٰ علیٰ شئ وقالت النصاریٰ لیست الیھود علیٰ شئ وھم یتلون الکتاب۔ سورۂ بقر)

(۲) پھر نبیوں کا حصہ بانٹ شروع کر دیا، پیروان انبیا نے فرقہ بندی کر کے ایک نبی کا اقرار اور دوسرے سے انکار ہونے لگا۔ یہودی اپنے کو ہدایت یافتہ اور نصاریٰ اپنے کو ہدایت یافتہ سمجھنے لگے (اسی طرح سے ہر مذہب والا خود کو برحق اور دوسرے کو گمراہ سمجھتا ہے) محمد مصطفےٰ نے سب کو دعوت اتحاد دی، اور فرمایا ملت ابراہیمی مرکزیت کے لئے بہترین شئے ہے جس میں شرک کا لگاؤ نہیں سب کو یہی کہنا چاہیئے کہ ہم خدا پر ایمان لائے ہیں، اور جو کچھ پر خدا کی طرف سے اترا اُس پر ایمان لائے، اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اسباط پر خدا نے بھیجا ہے، اور جو موسیٰ لے کر آئے، اور جو عیسیٰ لیکر آئے، اور جو کچھ دوسرے انبیار (کسی ملک و قوم کے ہوں) لیکر آئے

ہم سب پر برابر سے ایمان رکھتے ہیں، اور کسی نبی میں کوئی فرق نہیں
کرتے سب کو برابر کا سمجھتے ہیں، اور اسی اعتقاد کی بنا پر ہم اپنے کو مسلمان
کہتے ہیں، اگر تم سب یہی کہو، اور ہر نبی کی برابر عظمت کرو تب تم بھی
ہدایت یافتہ ہونے کے دعویدار ہوسکتے ہو، اور تمام انسانی برادری کو
قائم رکھ سکتے ہو۔ ایک نبی کی تعظیم دوسرے کی تحقیر، نفاق و شقاق
واختلاف پھیلانے کا سبب ہے جس کا تم باعث ہو۔ (وقالوا
کونوا ھودا او نصاریٰ تھتدوا قل بل ملۃ ابراھیم حنیفا و
ما کان من المشرکین قولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل
علی ابراھیم واسمعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما
اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین
احد ونحن لہ مسلمون فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم فقد
اھتدوا وان تولوا فانما ھم فی شقاق۔ سورۂ بقرہ)

(۳) وہ لوگ جو خدا اور رسولوں میں کفر کرتے ہیں، ان کا مقصد
محض تفرقہ پردازی ہے خدا اور رسولوں میں، ان کا یہ کہنا ہرگز حق بجانب
نہیں ہے، کہ بعض نبیوں پر ایمان لاویں اور بعض کا انکار کریں،
اور اس طرح سے اپنے لئے ایک درمیانی راستہ بناتے ہیں۔ یہ لوگ
یقینی کافر ہیں، (مومن و مسلم جبھی ہوں گے جب تفرقہ پردازی چھوڑ کر
سب نبیوں پر برابر ایمان رکھیں)۔ (ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ
ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض

ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا اولئک ھم الکافرون حقا۔ سورۂ نساء)

مذاہب عالم میں خود پرستی اس قدر بڑھی کہ اپنے سوا سب کو گمراہ قرار دے کر اور دوسروں کے نبیوں، پیشواؤں کی تحقیر کر کے اچھی خاصی محاذ جنگ قائم کر دی اور لڑنے مرنے کا راستہ بنا دیا، اور لامذہبوں نے مادی تفریقیں پیدا کر کے جان لینے اور دینے کا ذریعہ بنا دیا۔ دونوں گروہ بیشک شرف انسانیت سے محروم ہو گئے، اور بدترین مجرم قرار دئے جانے کے مستحق قرار پائے۔

(۲۷)

نبیوں کی امتیازی شان

بیشک وہ گروہ جو خدا کی طرف سے وحی لے کر آیا، اپنی اصطلاح میں اُس کا جو نام چاہے رکھو، سب وحدت انسانی کے ساتھ عام انسانی سطح سے بلند ہیں۔ اور اسی امتیاز و بلندی کی صرف ایک ... وجہ ہے، جو محترم گروہ انسانی میں اُن کو بزرگتر و اشرف تر بناتا ہے، اور اپنی تعظیم و احترام و تقدس کو عام انسانوں پر فرض کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ انسانیت کاملہ کے نمونے ہیں، اور اُن کی انسانی عملی زندگی محض خدا ہی کے لئے ہے، اور وہ اپنے مسلم کامل ہونے پر بجا طور پر فخر کرتے ہیں۔ (ان محیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ

وبذالک امرت وانا من المسلمین)

اسی لئے یہ گروہ خدا کی درگاہ میں سب سے زیادہ باعزت واحترام ہے، اور جب وہ بحکم خدا عام انسانوں کو اس راستہ کی دعوت دیتے ہیں تو بیشک آمریت وحکومت کے لئے سزاوار ہیں، اس لئے کہ تمدن کا قوم کے ضامن وحافظ وراہبر ہی ہمیشہ حاکم ہوتا ہے۔ اور جو اس غرض کے لئے آج عصا اٹھاتا ہے، کل اُنھی کے ہاتھ میں حکومت کا عصا ہوتا ہے۔ حیات صالح کے تمدن کی بنیادیں اسی گروہ کے ہاتھوں قایم ہوتی ہیں، اور عام انسانوں سے زیادہ اپنی عملی زندگی میں خدا کے لئے پرہیزگار ہوتے ہیں، خدا بھی اُن کو بزرگ ومحترم بناتا ہے۔ (ان اکرمکم عند اللہ اتقیکم) حقیقی امتیاز وتفوق بس یہی ہے کہ اپنے عمل سے عزت وشرف کا استحقاق پیدا کرے۔

ان کا عمل اس دنیا اور نظام عالم میں محدود نہیں ہے بلکہ اس نظام عالم اور آخرتی نظام عالم کی ہر شئے ان کے عمل جدوجہد کی وجہ سے انھیں کی ہوگئی ہے۔ (وان ذالک لما متاع الحیوۃ الدنیا والاخرۃ عند ربک للمتقین۔ سورۂ زخرف)۔

کفار بھی انسان ہیں، اس لئے اُن کی دوڑ دھوپ اور انتہائی ترقی اسی نظام شمسی تک محدود ہے، اس لئے وہ اسی نظام شمسی کو اپنا جنت بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن انسان کامل، اور مومن مسلم کامل کے لئے موجودہ نظام شمسی ایک قید خانہ ہے، اس کی ترقیاں اُخروی

نظاموں میں جاکر ختم ہوتی ہیں، اسی کو رسولِ خداؐ نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے " الدنیا سجن للمومن وجنۃ للکافر"
خدا انسانی سعی کو غیر متناہی عوالم میں دیکھنا چاہتا ہے، جو بدبخت انسان سعی عمل کو محدود کر دینا چاہے وہ خدائی نظر میں کافر ہے، اور جس نے دنیا و آخرت کی موجودات پر عمل و تصرف کیا، وہ متقی کہا گیا ہے اور دنیا و آخرت انھیں کے لئے بنائی گئی ہے جس کو حدیث قدسی نے ہمارے رسولؐ سے فرمایا " اگر تم نہ ہوتے تو افلاک خلق نہ ہوتے"
لہٰذا اس گروہ کو عام انسانوں میں اسی لئے تفوق و امتیاز ہے، اور اسی گروہ کی اطاعت و پیروی سے عام انسانوں پر ترقی کے دروازے کھلتے ہیں۔ (وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ سورۂ نساء)۔ اور خدا اور رسول اور وہ لوگ جو حکم خدا و رسول سے ہوئے رسولؐ قوم کے رہبر و حاکم یا حافظ تمدن بنائے گئے ہیں، (یعنی آئمہ معصومینؑ)۔ ان کی اطاعت بھی عام مخلوق پر فرض ہے کیونکہ وہ بھی متقی ہونے کی وجہ سے دنیا و آخرت کی متاع کے مالک ہو چکے ہیں۔ (اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم)
خدا سے محبت و ایمان جبھی ہوگا جب نبی سے محبت، ان کے احکام کی پیروی و اطاعت ہو، ورنہ نہ ایمان ہے نہ خدائی محبت ہے (ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ سورۂ آل عمران)۔
اسی طرح سے آل رسول (ائمہ معصومینؑ) کی محبت کو اجر رسالت

بنا کر جزو ایمان بنا دیا، اور اولی الامر ہونے کی وجہ سے اُن کی
اطاعت بھی مثل اطاعت خدا و رسول فرض کر دی گئی۔ (قل لا
اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔ سورۂ شوریٰ)

غور کے قابل یہ امر ہے کہ جو چیز خدا کی طرف سے اور اُس کے
رسول کی طرف سے فرض ہو اُس کا ترک متمردانہ و سرکشی کی راہ سے
یقیناً کفر ہے، اور اگر سستی و تغافل کی وجہ سے ہو تو حرام و گناہ ہے
محبت قرابت داران رسول اور اطاعت اولی الامر فرض ہیں۔ لہذا
خواہ مخواہ جزو ایمان قرار پا دیں گے، اور اُن کی بزرگی و افضلیت
ناقابل انکار ہو گی، اور یہ شرف و عزت اُن کی بنظر استحقاق ہو گی،
اُن کی عملی زندگی کی برتری کی وجہ سے، ورنہ قرآن مجید کسی اور کی محبت
کو بھی اجر رسالت بناتا۔

ایسا نہیں ہے، یہ فرض تو محبت اہلبیت رسولؐ سے مخصوص ہے۔
اور محبت کا لازمہ اطاعت ہے، لہذا اولی الامر سے بھی عام سلاطین و
حکام کی اطاعت مراد نہیں ہو سکتی۔

(۱) اس لئے کہ عام سلطنتوں حکومتوں کا شیطانی ہونا ہم گذشتہ
اوراق میں ثابت کر آئے ہیں ایسی چیز خدائی فریضہ نہیں بن سکتی۔

(۲) عام سلاطین کا اولی الامر ہونا اگر مسلمہ اہل اسلام ہوتا تو
تمام بغاوتیں سلاطین اسلام سے جرائم ہوتیں، صدر اسلام سے آج تک
خود مسلمانوں کی سلاطین اسلام سے بغاوتیں تاریخی شہادتوں سے

موجود ہیں، پھر وہ کافر گناہگار تھے، اُن کو مسلمان کہنا غلط ہے۔!
درحقیقت اولی الامر سے مراد سلاطین نہ تھے۔

(۳) تمام ترقیوں اور امن پسندیوں کا خون کرنا ہے۔ ظالم،
جاہل، خود پرست، سلاطین و حکام جور کی پرستش و اطاعت میں بسر
کر دینا، اور انقلاب پیدا نہ کرنا اعانت ظلم اور نعمت آزادی سے
محروم کرنا ہے۔

لہذا شیعہ اولی الامر ائمہ معصومین کو سمجھتے اور اس لئے کہ بعد
رسولؐ اغراض نبوت انھیں سے پورے ہوتے ہیں، اُن کی اطاعت و
محبت کو فرض سمجھتے ہیں۔

(۴۸)

نبیوں کی متقیانہ شان

تقوےٰ کیا ہے؟ انسانیت کے فرائض جو خدا نے انسان پر
عاید کیئے ہیں۔ اُن فرائض کا خدائی مرضی کے مطابق ہر شعبہ زندگی میں
پورا کرنا، اور عملی جد و جہد سے ثابت کرنا کہ وہ انسانی ڈیوٹی جو خدا
نے اُس پر عاید کی ہے، خدا کی مرضی و خوشنودی کے لئے ادا کر رہا ہے
یہ ہے تقوےٰ۔

چونکہ تقوے کے درجات میں فرق ہے، لہذا سب متقی بھی برابر
نہیں ہیں۔ تقوے اپنا ... ام اور ... منزل ... انسان کی فرد فرد کو

متقی بننا چاہئے، اور اسی غرض پورا کرنے کے لئے انبیا بھیجے گئے۔ تاکہ عام انسانوں کو متقی بنا دیں، اور یہی نبیوں نے دعوت بھی دی (انغیر اللہ تتقون۔ سورہ نحل) اور متقیوں ہی کے اعمال مقبول ہوتے ہیں (انما یتقبل اللہ من المتقین)
اور خدا متقیوں کا طرفدار و ساتھی ہے۔ (ان اللہ مع المتقین)
اور متقیوں کو دوست رکھتا ہے (ان اللہ یحب المتقین)
اس لئے متقی ہی متمدن گروہ ہے، اور تمدن حقیقی کے وہی حافظ ہیں، لہذا غیر متقی انسان سے بیشک اُن کا درجہ بلند ہے، اور جو گروہ ان متقیوں کا درجہ کاملہ تقوے پر فائز ہے۔ وہ انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرین کا گروہ ہے۔ یہ گروہ عام سطح متقین سے بھی بلند ہے۔ یہ گروہ ہے تو انسان مگر انسان کامل، اور اپنے استحقاق و عمل کی راہ سے ہے تو متقی لیکن متقی کامل، اسی گروہ سے وحی و الہام مخصوص ہے خدا نے اس گروہ کو اپنے کلام کرنے اور وحی کے لئے چن لیا ہے، انکی شناخت درجہ کاملہ تقوے سے ہوتی ہے۔ اور اسی درجۂ کاملہ تقویٰ کا نام عصمت ہے، یا اُن خوارق عادات و معجزات، سے جو عام خوارق عادات سے بلند و برتر اور امتیاز خاص رکھتے ہیں۔

نبیوں کی معجزانہ شان

جیسا کہ ہم گذشتہ آرٹیکل میں کہہ آئے ہیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے، اور کائنات اُس کے لئے مسخر ہے، اور انسان کے قبضہ و تصرف میں ہے جس کی بنا پر وہ محیر العقول صنعتیں اور ایجادیں کرتا ہے۔ سائنٹس و فلاسفروں کی ترقیاں علمی و عملی دیکھ لو۔

پس ماننا پڑے گا کہ انسان کامل اور متقی کامل کا تصرف موجودات عالم میں بہت زیادہ قوی ہے، اور کائنات کا ذرہ ذرہ عام انسانوں سے (فلاسفر) زیادہ انسان کامل کے لئے مسخر ہے۔ اسلئے کہ سائنٹس و فلاسفر محض ملکہ انسانیہ، اور قوت فلسفیہ سے جن خواص مادہ اور ذرات مادیہ سے واقف ہیں، اُن کی دوڑ، اُن کی علمی تحقیق تک محدود ہے۔

وہ مادیات کی مدد سے اور فراہمی اسباب سے خرق عادات کر سکتے ہیں۔

لیکن انسان کامل اور متقی کامل خدا کے ملہم بندے جن کے ساتھ خدائی تائید بھی ہے، وہ مادیات سے مستغنی ہو کر، قیاسی و تجربی اصول مقررہ فلسفہ و حکمت سے علیحدہ ہو کر خرق عادت کرتے ہیں۔ عمل دونوں کا مادیات ہی میں ہے، مگر دونوں کے خرق عادت میں بہت بڑا فرق ہے۔ گروہ انبیاء میں محض خدائی قوت و قدرت و اختیار کا مظاہرہ

اسی لئے فلاسفر اپنے اصول حکمت و فلسفہ کو آزادانہ برت
سکتے، اور دوسروں کو بھی بتا سکتے ہیں۔
لیکن یہ گروہ انبیاء و متقین حکم خدا کے بغیر مجبور ہے اور کوئی
معجزہ نہیں دکھا سکتا۔ (ماکان لرسول ان یاتی بایۃ الا باذن اللہ
سورۂ مومن)۔ جبکہ خدا مادہ و مادیات کا خالق ہے، اور کسی کا محتاج
نہیں ہے، اور خلق ہر شئے کا خود ایک معجزہ ہے۔ پھر اگر خدا اپنے علم
اور اپنی تائید و وحی و الہام سے دوسروں کو جو چاہے اور جب
چاہے دے سکتا ہے۔
لہذا معجزے میں درحقیقت خدائی ہاتھ پوشیدہ ہوتا ہے۔
اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ خدا کسی کو وحی کے ذریعہ کچھ
بتا دے (اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منھم۔
سورہ یونس)۔
اسی خرق عادت کا نام معجزہ ہے جو انبیاء و مرسلین و ائمہ طاہرین
سے مخصوص ہے، متقیوں کے بس کی بھی چیز نہیں ہے، مذکورہ بالا دو
چیزیں جھوٹے اور سچے نبیوں، اور فلاسفہ و سائنٹس دانوں میں
فرق و امتیاز پیدا کر دیتی ہیں، بیشک مخلوقات الٰہی میں عام انسانوں
کا حصہ داری اور دسترس و تصرفات اگر موجود ہیں، تو انسان
کامل کو بڑا حصہ دار اور پرزور دسترس و تصرف رکھنے والا ماننا
پڑے گا۔

یہ سائنس و فلسفہ کا کوئی پیچیدہ اور لاینحل مسئلہ نہ ہوگا۔ بلکہ منطق کا صحیح نتیجہ ہے۔ سائنس و فلاسفہ کا انکار، اُن کے غلط تفوق و امتیاز و خود پرستی کی وجہ سے ہے، جو اپنے سے بالاتر ہستیوں اور قوتوں سے انکار کر دیتے ہیں۔

(۳۰)

حیات صالح متقی کیلئے ہی اور یہی اساس تمدن شیعہ ہی

جس مذہب کے تمدن کا اساس حیات صالح اور تقوے الٰہی ہو۔ اُس تمدن سے زائد محکم و استوار کون سا تمدن ہو سکتا ہے۔ اُسی کے لئے دوام و ثبات و بقا ہے، اور انسانی خلقت سے آج تک، اور ہمیشہ آئندہ وہی تمدن زندہ ہے، اور محفوظ رہے گا۔ اور کبھی اُس کو کوئی خطرہ ہو ہی نہیں سکتا۔ (انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔ سورۂ حجر)

جس تمدن کی بنیاد و اساس خدائی مرضی کے مطابق ہو وہ بہتر ہے۔ یا وہ تمدن جس کی بنیاد ہلاکت ضلالت و کشمکش حیات پر ہو اور جہنم کی طرف کھینچ لیجاوے وہ بہتر ہے؟ عقل انسانی خود اس کا فیصلہ بہ آسانی کر سکتی ہے۔ (افمن اسس بنیانه علی تقوی من الله ورضوان خیر امن اسس بنیانه علی شفا جرف فانهار به فی نار جهنم۔ سورۂ توبہ) لہذا بقائے صالح اور دائمی

زندگی کے مالک تو یہی ہیں اور یہی زندہ جاوید ہیں۔

اس مادی دنیا میں مادہ پرستوں نے جو اصول و قواعد جہد للبقاء کے بنائے ہیں وہ بالکل غلط اور کشمکش حیات بڑھانے والے ہیں۔ نہ اُن اصولوں میں بقا ہے نہ اُن میں اتنی سکت ہے کہ اپنے پرستاروں کو بقائے صالح کی منزل تک پہونچا سکیں، اُن کے تمدن کا اساس ہی اُن چیزوں پر نہیں ہے جو باقی رہنے والی ہوں۔ دنیاوی حکومتوں میں ایک کا نام بتاؤ جو اپنی بقاء کی خواہشمند نہ ہو۔ اُن کا کیا حشر ہوا کدھر گئیں۔ کب امن و سلامتی قائم کر سکیں۔

حبش، ہسپانیہ، چین، کے نمونے سامنے ہیں۔ سب مسلح تھے، سب کی بقاء کا اساس عسکریت تھا، اُن سے زائد قوتوں نے کس طرح سے مغلوب کر لیا، آج جو قومیں اپنی قوت و عسکریت پر اکڑ رہی ہیں، کل اُن کا بھی خاتمہ ہے۔

سائنٹس سب اسی جد و جہد کر بیٹھیں اور جس قدر چاہیں جہد للبقاء کے اصول تراشیں ناکام رہیں گے، کشمکش حیات کم ہونے کے بجائے اور ترقی کرے گی۔

غور کرنے کی جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ تمدن کا اساس اُن چیزوں پر قائم کرنا چاہئے جن کے لئے بقاء ہے جو کشمکش حیات کے راستوں کو بند کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ وہی جہد للبقاء کا صحیح راستہ ہے اور وہ تقویٰ ہے۔

(۳۱)
صفات تقویٰ

وہ صفات جن سے انسان متقی بنتا ہے، جن میں بقاء دوام کی روح ہے، اور جو حقیقی انسانیت ہے، اور انسانی عملی زندگی کے ہر شعبہ میں ان صفات کا ہونا لازم ہے، جس سے انسان حیات صالح کا مالک ہو جاتا ہے۔ وہ صفات حسب ذیل ہیں:۔

ایثار و قربانی، صداقت و حق پرستی، ہمدردی و رحم و کرم، عفت و طہارت، محبت، شجاعت، علم، حلم و صبر، قناعت، امانت، زہد، حیاء، وفا، سخاوت، اطاعت و عبادت، مذکورہ صفات کمالیہ انسانیہ وہ صفات ہیں جو تقویٰ کے مظاہر ہیں، جن سے متصف شخص کشمکش حیات کے بھنوروں کو دور کر بقائے صالح کے لئے راستہ پیدا کر لیتا ہے۔

اس ناامن و ظلم خیز زمانے میں بھی ہر انسان مذکورہ صفات کی مدح سرائی کرتے ہوئے دعویدار ہے کہ وہی مذکورہ صفات کا مالک ہے، لیکن ان کے دعووں کو حقیقت و صداقت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے، جب تک مذکورہ صفات کو حقیقی طور پر تمدن کا اساس نہ بنایا جاوے، کشمکش حیات کا خاتمہ نہیں ہو سکتا، نہ حیات صالح حاصل ہو سکتی ہے۔

مذکورہ صفات کی قدامت، اور ہر زمانے میں اُن کا وجود اُن کے لازوال ہونے کی دلیل ہے۔

ظلم و ناانصافی، بغض و حسد و طمع وغیرہ بھی اُسی وقت سے موجود ہیں جب سے مذکورہ صفات کمالیہ موجود ہیں۔ لیکن محض قدامت دلیل بقا نہیں ہے۔ بلکہ حسن عقلی اُن کا ہمیشہ سے اُن کے دوام و بقا کا ثبوت ہے، اور ظلم و ناانصافی وغیرہ کی رذالت و قبح ہمیشہ سے مسلم ہے۔ کیونکہ یہ صفات کشمکش حیات کا اساس ہیں اور اُن کا ردعمل ہونا ناگزیر ہے، جو موجب زوال و فنا ہے۔

سوال کیا صفات کمالیہ حاصل کر لینے کے بعد بغیر عسکریت ممکن ہے کہ تحفظ رہے، اور صرف تقوے سے کشمکش حیات مٹ جاوے گی۔

بیشک اگر جملہ اقوام عالم کا یہی مسلک ہو تو عسکریت و تشدد بیکار محض ہے۔ دنیا میں شاید کوئی مذہب ایسا ہو جس میں صفات کمالیہ تقوے کی پابندی پر زور نہ دیا گیا ہو۔

بالخصوص قرآن مجید کی تعلیم کی بنیاد ہی اسی پر ہے، اور شیعہ مذہب کا اساس یہی ہے، اور اسی کی سخت پابندی نے آج تک شیعہ مذہب کو زندہ رکھا، اور جب تک صحیح معنوں میں اس پر عمل رہے گا۔ شیعہ مذہب کو کوئی دنیا کی قوت نہیں فنا کر سکتی۔

قرآن مجید نے اس کی تعلیم دی، اماموں اور اُن کے سچے

پیروؤں نے صداقت سے عمل کر کے عالم کو دکھا دیا، اور اپنی تاریخ قائم کر دی، دیکھو ترک موالات، عدم تعاون، سول نافرمانی مقاومت مجہول، یہ چیزیں کانگرس کا ازم نہیں ہیں، بلکہ دیگر مذاہب میں یہ سب اصول کچھ نہ کچھ موجود ہیں۔ پیروؤں کا یہ قصور ہے کہ انھوں نے مذہبی تعلیمات سے بے اعتنائی کی، اور اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں، قرآن مجید نے صاف کہہ دیا "(ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار) ظالموں کی طرف میلان نہ کرو، ان پر بھروسہ اور اطمینان نہ کرو وہ تم کو بھی اپنے ساتھ جہنم میں کھینچ لیجاویں گے"

(ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان) کسی کی ایذا رسانی گناہگاری اور دشمنی میں امداد نہ کرو"

ترک موالات، عدم تعاون، سول نافرمانی، مقاومت مجہول اس کے سوا اور کیا ہے، اب ائمہ ہدیٰ کی سیرت اور زندگی کو جانچو کون سا عمل ان کا تھا جو اس سے خالی تھا، تاریخ شیعہ بھری پڑی ہے کہ اسی بے پناہ قوت مدافعت سے بڑے بڑے جبار و ظالم سرنگوں ہوئے، مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے گئے، مگر ان کی غیر متزلزل فولادی عزموں نے ذرہ برابر قدم ثبات کو لغزش نہ ہونے دی، آج شیعہ قوم بجا طور پر فخر کرتی ہے، کہ اقوام عالم میں اس سے زائد کسی نے قربانی و ایثار و جفاکشی کو "سہا" نہیں کیا ہے۔ ہماری کتاب "تاریخ شیعہ کا ایک ورق" دیکھو۔

تجربہ کرکے دیکھ لو، اقوام عالم اگر ظالموں کا بائیکاٹ مکمل کر دیں، نہ فسطائیت رہے، نہ نازیت، نہ اشتراکیت، نہ فوضویت، نہ سامراج، عالم میں آسمانی بادشاہت، حکومت الٰہیہ کے سوا کچھ بھی نہ ہو، دنیا اس طرف بڑھ رہی ہے اور ان لعنتوں سے چھٹکارا کرنے کے لئے بیقرار ہے۔

وہ وقت بھی آ رہا ہے کہ "دنیا عدل وانصاف سے اس طرح سے پُر ہو جاوے گی جس طرح سے ظلم و جور سے معمور ہو چکی ہے۔ (یملأ الله الارض عدلا وقسطا کما ملئت ظلما وجورا) دنیا ظلم و جور و عسکریت سے گھبرا کر خود ان شریروں کے جوئے کو اتار پھینکے گی۔

(۴۲)

شیعوں کا اعتقاد

شیعہ خدا کو ازلی، ابدی، سرمدی، باقی، اس لئے سمجھتے ہیں کہ مذکورہ صفات کمالیہ اُس کی عین ذات ہیں۔ جب کسی ذات کو ان صفات کے ساتھ پکارو گے، حقیقتاً وہ خدا ہوگا، اور بیجا دوسری ذاتیں۔

انبیاء و اولیاء کو شیعہ اس لئے زندہ و باقی سمجھتے ہیں کہ وہ انھیں صفات الٰہیہ سے متخلق ہیں، اور اُن صفات الٰہیہ سے تکمیل انسانیت کرتے ہیں، جو دائمی رہنے والی ہیں (بقیۃ اللہ خیر لکم)

مذکورہ صفات میں بعض ایسے صفات ہیں، مثل زہد، قناعت، طاعت، عبادت، ایثار، قربانی، جن سے ذات باری متصف نہیں کیجا سکتی، لیکن اُن کا بقا، و دوام اس لئے ہے کہ وہ ذات باری سے تقرب پیدا کر دینے والی صفتیں ہیں، اور تقوے کا جزو لاینفک ہیں، اور وحدت انسانی کی بقاء کے لئے لازمی ہیں۔

قرآن مجید کو باقی و دائم و غیر متبدل اس لئے سمجھتے ہیں کہ وہ مجموعہ اُن قوانین کا ہے جو بقائے صالح کے ضامن ہیں، اور جہد للبقاء کا راہ نما ہے۔ دنیا میں کتنا ہی طوفان مچے، اور نت نئی ایجادیں ہوں، عالم کو لا مذہبیت گھیر لے، قرآنی تعلیم نہ مٹا ہے، نہ مٹے گی، کیونکہ وہ فطرت و خلقت انسان کے ساتھ ساتھ ہیں۔

قرآن مجید لوگوں کے ہاتھوں میں خواہ رہے، کسی ملک میں موجود نہ رہے، لیکن اُس کے اصول و ضوابط بظاہر اور مخفی ضرور کار فرما رہیں گے۔ اس لئے کہ خدا نے قرآن مجید میں اُس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، وہ غیر متبدل اور سنت الٰہیہ کا لازوال سرمایہ ہیں۔ (لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا)، (لا مبدل لکلماتہ)

اسی طرف رسولِ خدا نے اشارہ فرمایا ہے "ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، ماں باپ اُس کو یہودی، نصرانی، مجوسی بنا دیتے ہیں) دیکھ لو مذکورہ صفات کمالیہ کو جو بچوں کی پیدائش میں نمایاں ہوتے ہیں، اور اچھے خاصے متقی ہوتے ہیں۔

(۳۴) بچوں کی فطرت

صداقت بچے کتنا ہی سنگین جرم کریں، صاف صاف بتا دیتے ہیں۔

حق پرستی ہر کام بچوں کا ریاکاری و بناوٹ سے پاک ہوتا ہے جس کو وہ صحیح اور حق سمجھ کر کرتے ہیں۔

قربانی و ایثار اپنے قیمتی اور خوبصورت کھلونے لمحہ بھر میں توڑ پھوڑ پھینک دیتے ہیں۔ آگ پانی، پستی، بلندی کو بیچ سمجھ کر بے جگری سے لپکتے ہیں۔ بڑی سی بڑی خطرناک شئے سے اُن میں خوف و ہراس نہیں ہوتا۔

ہمدردی ایک بچہ کو مارو دوسرا بلک بلک کر روتا ہے۔

عفت و طہارت بچہ اس خوبی کا مظہر ہے جس کی وجہ سے عوام میں معصوم کہا جاتا ہے۔ اُن کے دامن پر ریاکاری کا داغ بھی نہیں ہوتا۔

محبت کا جذبہ بچوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ ماں باپ پالنے والا اُن کو جھڑکے جھنجھے، مارے، یہ روتے جاویں گے اور اُسی سے لپٹے رہیں گے۔ ایک خون خوار کرنے والا بچہ اپنے محسن کو دیکھکر اُسی پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

شجاعت | یہ بچے بات بات پر لڑنے مرنے پر تلے ہوتے ہیں۔

فہم و فراست و علم | پیدا ہوتے ہی ماں کے پستانوں کو منھ میں لے کر چوسنے لگتے ہیں۔ ماں باپ کی باتوں کو غور سے سنتے اور انھیں کی نقل اتار لیتے ہیں۔ ہر شے کی اہمیت پوچھ پوچھتے ماں باپ کا ناک میں دم کر دیتے ہیں۔

حلم و صبر و اطاعت | بچے کا ماں باپ کے تشدد سے اُسی سے لپٹے رہنا اُس کے حلم و صبر و اطاعت کا پُر زور مظاہرہ ہے

قناعت | بچوں کا اپنی ماں کی گود پہچاننا غیر کی گود میں نہ آنا۔ ماں کے سوا غیر کا دودھ نہ پینا، اپنی قسمت پر شاکر رہ کر قناعت کرنا ہے۔

سخا، وفا، عدالت | ماں کی محنتوں کا خیال کر کے باپ پر ترجیح دینا، اُسی سے چمٹنا، زمین سے جو خاک پتھر اٹھانا، ماں ہی کو دینا سخاوت، وفا، و عدالت کا پرزور مظاہرہ ہے۔

زہد | پھٹا، پرانا جو بھی بچے کو پہنا دو، خوش و مگن ہے۔ خاک دھول جو پاتا ہے منھ میں رکھ لیتا ہے۔ فرش مخمل اور زمین اُس کے لیے یکساں ہے۔

حیائے عقلی | اپنے معتقدات و جذبات پر اڑ جانا اور ٹالے نہ ٹلنا جس کے مظاہر بچوں کے کھیل کود میں نمایاں ہوتے

ہیں۔ اُن کا انہماک، شخص اپنا ارادہ پورا کرنے میں ہٹ، بجائے عقلی کاہر زور مظاہرہ ہے۔ ارادے کی کمزوری کا اظہار نہ ہونے دینا بہانہ بجائے عقلی ہے۔ بچے خوشامد و چاپلوسی سے کوسوں دور رہتے ہیں۔

یہ وہ باتیں ہیں جو بچوں کے حرکات و سکنات میں فطرتاً نمایاں ہوتی ہیں، اور اُس کی متقیانہ زندگی کا پتہ دیتی ہیں۔ (ونفس وما سویٰھا فالھمھا فجورھا وتقویٰھا) جب انسانی خلقت کی گئی اسی وقت نفس کو بری بھلی باتیں خالق کائنات نے بتا دی تھیں۔ بچوں کی انھیں نیک خصلتوں اور فطری بھلائیوں کا نام رسول خدا نے اسلام رکھا تھا۔ کسی مذہب میں بھی یہ اچھی باتیں موجود ہوں شیعہ مذہب اُن نیکیوں کو ہر مذہب سے شکر گذاری کے ساتھ لینے کو تیار ہے۔ اس لئے کہ شیعہ مذہب میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو بے رسولؐ و ہادی چھوڑ دی گئی ہو (ولکل قوم ھاد)۔ وہ نیکیاں قابل احترام ہیں اس لئے کہ انبیاء کی بتائی ہوئی تھیں، جن کی صداقت کا معیار قرآن مجید اور ارشادات رسول خدا و ائمہ ہدیٰ ہیں۔

(فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم) جس فطرت پر تمام انسان خلق کر دیئے گئے جن میں تبدیلی کسی کے بس کی نہیں ہے اور یہی دین قیم ہے۔" پھر لاکھ زور مارو بچوں کی اسلامی فطرت نہیں بدل سکتے۔ اسی لئے کہتا

پڑے گا کہ مذکورہ صفات کمالیہ حقیقۃً باقی ہیں۔ بقائے انسان تک اور جس تمدن کا یہ اساس ہو جاویں اُس کو دوام و بقا و ثبات ہے کشمکش حیات میں بھی صفات بقائے صالح کی منزل تک پہونچاتے ہیں، اور انھیں صفات کی تحصیل میں جتنی کوشش کرو گے وہ کوشش جد للبقاء کے لئے سعی مشکور ہوگی۔ اس کے خلاف جتنی عمارتیں تمدن کی اٹھاؤ گے آج نہیں تو کل گرینگی۔

شریعت رسول کو بقا ہے

دین الٰہی کو دوام و بقا ہے، اور یہی دنیا تک رہے گا۔ ظاہر بظاہر ہو یا مخفی و پوشیدہ، اسی لئے شیعوں کا اعتقاد ہے کہ دین رسول خاتم الانبیا ہے۔ نہ خدا نیا آنے والا ہے نہ اُس کا دین بنایا ہوا نیا آوے گا، وہ یہی دنیا تک رہے گا، اُس دین الٰہی کی کتاب شریعت (قرآن مجید کی شکل میں) ہمیشہ باقی رہے گی، اور دین الٰہی کی کتاب تکوینی (یعنی فطرت) ابد الاباد باقی ہے۔

دین الٰہی فطری ہے تو جس طرح سے بقائے انسان تک وہ باقی ہے، اُسی طرح سے اُس کی مخالفت میں فوری سزا اور ہلاکت ہے۔ فطرت کی معمولی بات کو ٹال دو سزا پاؤ گے۔ بھوک پر غذا نہ کھاؤ ضعف ہوگا۔ رات بھر جاگو طبیعت میں کسل ہوگا۔ فطرت انسانی کو چھوڑ کر فطرت حیوانی اختیار کرو مسخ اخلاقی ہوگا۔

جن اغراض کے واسطے انسان بنا اُس کو پورا نہ کرو افراط یا تفریط

کو وہ سزا ملے گی جو مخالفت فطرت کے لئے ناگزیر ہے، آخرت میں تو وہ ہونا ہے وہ ہوگا، دنیا ہی میں بھگتیں گے۔ وہ روزہ، نماز، حج و زکوٰۃ، کرنے والے مسلمان جو رہبانی زندگی گذار رہے ہیں،
دیکھ لو اسلامی جاہ و جلال و عزت کھو بیٹھے علم و عمل سے محروم ہو کر غلامی کی سزا بھگت رہے ہیں، وہ مادہ پرست جو خدا کو بھول گئے۔ فرائض مذہبی کو چھوڑ بیٹھے۔ ملحد یا مشرک، انھوں نے بھی فطرت الٰہیہ کی مخالفت کی، وہ بھی اسی دنیا میں بھگت رہے ہیں، مدہوشی سے اپنی خو سمجھیں تو اس کا علاج نہیں۔ وہ اخلاق حسنہ کو کھو بیٹھے، نفس پرستی اور خود غرضی میں مبتلا ہو کر ناامنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اُن کا ہمارا زندگی مسخ اخلاقی کر کے درجہ رفیعہ انسانیت سے خارج کر چکی اُن پر بدترین وشدید ترین عذاب کشمکش حیات کا مسلط ہو چکا اس کو وہ عذاب و سزا نہ سمجھیں تو نہ سمجھیں ایک دن اُن کو فطرت الٰہیہ سمجھا کر چھوڑے گی۔

اسلام سلامتی کا دین ہے، اور خدا کا پسندیدہ دین ہے اور بغیر اسلام کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔ "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل"۔ نہ رہبانی اور بے عملی زندگی اسلام ہے، اور نہ مادہ مطلق العنانہ زندگی اسلام ہے۔ دونوں ہی فطرت الٰہیہ کی مخالفت ہے لہٰذا دنیا و آخرت میں دونوں کے لئے ہلاکت ہے، اور دونوں کا کوئی عمل خدا کی درگاہ میں مقبول نہیں ہے۔

اسی لئے مقبولیت کی کوئی نشانی دونوں گروہوں میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ دونوں گروہ سراسیمہ و حیران ہیں۔ امن و سلامتی کی زندگی دونوں میں سے کسی کو حاصل نہیں، اور ایک بھی ان میں کا بقائے صالح کا مالک نہیں ہے۔

یہ خدائی ظلم نہیں ہے بلکہ سوءِ عمل و بے تدبیری سے خود انسان کے نفوس کا ظلم ہے۔ (ان اللہ لا یظلم الناس شیئا ولکن الناس انفسھم یظلمون) بقیۃ اللہ اور حقیقی بقائے صالح کے مالک وہ ہیں جو زبان سے کہتے ہیں ہمارا رب تو خدا ہے اور اس پر جم جاتے ہیں۔ یعنی ان کا قول و فعل، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے خدائی مرضی پر معصومانہ زندگی بسر کرتا ہے۔ ان پر ملائکہ رحمت ظاہر بظاہر اترنے لگتے ہیں، وہ انبیاء و ائمہ ہیں، اور جو سعی و کوشش تو اسی کی کرتے ہیں لیکن عصمت فطری سے محروم ہیں۔ یعنی مومنین مخلصین ان پر ملائکہ رحمت کا نزول مخفی ہوتا ہے۔ (ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ)

فرق درجہ کاملہ و درجہ ناقصہ کا ہے۔ فطرت کاملہ انسان کامل کو باقی رکھتی ہے۔ مر جاویں یا مار ڈالے جاویں، اور حسب درجات حیات صالح ان کو بھی بقا و حیات ہے، جو مالک حیات صالح ہیں یعنی فطرت الٰہیہ پر چلنے والے ہیں، اس لئے دین الٰہی کو بقا ہے۔ صرف ظہور و خفا کا فرق ہے۔ موت درحقیقت نقل مکان ہے۔ فنا کا

اُس پر کوئی اثر نہیں۔

(۲۴)

نبوت و امامت ہی بقائے صالح کی ضامن ہے

انسان فطری کے وہ نمونے (قد افلح من ذکیھا) جنھوں نے الہام فطری کو نہیں بھلایا اور فطرت حسنہ کے گہرے اور مٹنے والے نقوش اُن کی خلقت میں جم بیٹھے۔ خلقی پرہیزگار اور عنصرتاً پاک ہوگئے جن کی طہارت فطریہ کو خدا نے قرآن مجید میں فرما دیا۔ (یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا)۔ اہلبیت رسولؐ کو خدائی ارادے نے ہر بدی سے پاک کردیا جو پاک کرنے کا حق تھا۔ لہٰذا اُن کی عصمت ناقابل انکار ہوگئی، اس لئے وہ خطا و نسیان سے محفوظ اور بھولے چوکے سے بھی فطرت الٰہیہ سے لغزش ناممکن ہے۔

اُن کو نیکی کا ملکہ ہو گیا ہے، علم اُن کا الہامی ہے جو چشم زدن میں اُن سے جدا نہیں ہوتا، پھر بھول چوک خطا اُن سے محال ہے دیکھو بچوں کی فطری باتوں میں بھول چوک نہیں ہے، نہ خود خلاف فطرت کرتے ہیں، اور نہ ابدالآباد تک بچوں کی یہ فطرت بدل سکتی ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ انسان فطری بھی بھول چوک سے منزہ ہو، اور معصوم ہو۔ یہ عصمت کسی ایک فرد سے مخصوص نہیں ہے

بلکہ جملہ انسان فطری معصوم ہیں۔ یعنی جملہ انبیاء و ائمہ علیہم السّلام اُن کی عصمت، اُن کی معصومانہ زندگی سے معلوم ہوتی ہے پیدائش سے آخر عمر تک۔

آیہ تطہیر بتاتی ہے کہ مذکورہ جملہ صفات کمالیہ کے یہ حضرات مالک تھے، اور جملہ صفات ناقصہ سے پاک و صاف تھے۔

شیعہ مدعیان امامت و نبوت کی جانچ اسی عصمت سے کرتے ہیں۔ جو شخص بھی عصمت و الہامی علم سے محروم ہو وہ نہ نبی ہے نہ امام و خلیفہ رسولؐ۔ خدائی وحی و الہام نبیوں کے دیے ہوئے خصائل فطری کو بروقت اُبھارتی رہتی ہے، اور یہی خدا کی تائید و احسان ہے جو عام انسانوں کے لئے مفقود ہے۔

قرآن مجید میں بعض انبیاء کے متعلق غیر معصومانہ افعال کا ذکر ہے وہ کمال تقرب الٰہی، اور منتہائے مدارج نبوت کی پست منزل ہے اور اُس کا تعلق خدا ہی سے ہے مخلوق سے نہیں ہے۔ لہذا وہ مدارج کمالیہ عصمت سے پست تو ضرور ہے، لیکن خلاف عصمت مطلقہ نہیں ہے۔

مثالاً۔ بچوں کے فطری عادات میں ظہور و خفا ہوتا ہے، ایک کام اُن کا واضح و روشن ہوتا ہے، وہ ابھار صفت فطری ہے دوسرے بچہ میں وہی صفت دبی ہوتی ہے۔ یہی دونوں فطری ظہور و خفا کا فرق ہے۔

وہ کتابیں جو الہامی کہی جاتی ہیں، اُن میں بھی اسی کی تلاش چاہیئے اُن کا بتایا ہوا تمدن اگر مذکورہ صفات کمالیہ کے اساس پر قائم ہے تو وہ انبیاء و امام اور کتابیں الہامی ہیں۔ اور اگر مذکورہ معیار پر نہیں ہیں تو وہ نہ انسان فطری اور نہ انسان کامل ہیں، نہ وہ کتابیں الہامی ہیں۔

رہے وہ لوگ جو تعلیم نبی یا امام سے تزکیہ نفس کر سکے اور متقی بنے، وہ انسان صناعی ہیں، نہ اُن میں عصمت آسکتی ہے، نہ وہ انسان کامل ہو سکتے ہیں، اس لئے کہ اُن میں فطرت کی تاثیر سے انقلاب نہیں ہوا ہے، بلکہ تعلیم نے انقلاب پیدا کیا ہے۔ لہذا شیعہ اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ انبیاء و ائمہ انسان فطری ہیں۔ متقی فطری ہیں۔ اُن کے لئے ابتداء خلقت سے کوئی ایسا زمانہ نہیں ہوتا جو وقت یہ کہا جاوے کہ وہ مسلمان نہ تھے، بعد میں اسلام لائے، وہ اول المسلمین اس لئے ہیں کہ تعلیم نبی سے پیشتر ہی وہ مسلمان تھے، اور پیدائشی ملہم تھے، جیسے حضرت عیسیٰ گہوارے میں نبی تھے، اسی طرح کل انبیاء و ائمہ علیہم السلام تھے۔ دیکھو کتب احادیث شیعہ مثل مناقب ابن شہرآشوب، امالی ابن بابویہ، ارشاد شیخ مفید، بحار الانوار وغیرہ

شیعوں کا جب یہ معیار ہے کہ جس تمدن کا اساس مذکورہ صفات کمالیہ نہ ہوں تو وہ قابل قبول نہیں ہیں، تو اس کی جانچ پڑتال موقوف ہے تحصیل پر اُس علم کے جو انہیں حضرات سے ملے جو معیاری ہیں۔

(یعنی نبی و امام)۔ اسی لئے رسولِ خدا اور ائمہ ہدیٰ نے جتنا زور تحصیل علم پر دیا ہے کسی بات پر نہیں دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

(۱) تحصیل علم واجب ہے ہر مسلمان مرد و عورت پر۔

(۲) تحصیل علم کرو اگرچہ چین جانا پڑے۔

(۳) عالم کی روشنائی خون شہدا سے بہتر ہے۔

(۴) دو رکعت نماز عالم کی دو ہزار رکعتوں سے عابد کی افضل ہے۔

یہی علم کشمکش حیات سے بچنے کا آلہ ہے۔ اسی علم سے بقائے صالح حاصل ہوتی ہے۔ اسی علم سے جد للبقاء کا صحیح راستہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے شیعہ انبیاء و ائمہ کو اعلم مخلوقات قرار دیتے ہیں۔ اور ان کی بعثت کی غرض منحصر تعلیم و تبلیغ کیں سمجھتے ہیں۔

دیکھو جب ملائکہ نے خلافت الٰہیہ میں فتنہ و فساد کا شبہ ظاہر کیا تو خداوند کریم نے حضرت آدم کو علم عطا کر کے ملائکہ کو چپ کر دیا۔ (قرآن مجید)۔ لہذا قائم مقام و منیب کا نائب وہی ہوگا جو منیب کے صفات کا مظہر ہو۔ دنیا بھر کی درسگاہوں کو دیکھو، اُن کا پروفیسر ہر علم کا جب ہٹے گا تو اُسی علم کا ماہر اُس کا قائم مقام ہوگا۔ جاگرفی کی جگہ سائنٹس اور فلالوجی کے پروفیسر کی جگہ کیمسٹ مقرر نہ کیا جاوے گا

درسگاہ عالم میں ہمہ دان، ہمہ گیر انبیاء کا قائم مقام خیری مار و بیرازی یا چوبین جیسے شلغ مقرر نہیں کئے جا سکتے۔ نہ کوئی مذہب اُن کی

پابند کرے گا، نہ سیاست کشمکش حیات ان سے کب مٹ سکتی ہے۔
اصلی و حقیقی بقا تو انھیں ذاتوں کے لئے ہے جو کمیں اوصاف
صفات الٰہی کے منبع سے بہرکر چکے ہیں۔ اس لئے رسولخدا نے جس کے
بارے میں علمی تصدیق کی وہی اُن کا خلیفہ ہو سکتا ہے۔

(۱) میں اور علیؑ ایک نور سے ہیں (مسند احمد بن حنبل) جب
دو فردوں کی حقیقت و طینت یکساں ہوں صلاحیت و قابلیت
یکساں ہو بیشک ایک رسولؐ دوسرا خلیفہ ہوگا۔

(۲) علیؑ نفس رسولؐ ہیں۔ (قرآن مجید) علیؑ کا کمال نفسی بعد
رسولؐ ایسا ہے جیسے رسولؐ تھا۔ لہذا وہی وصی و خلیفہ ہوں گے۔

(۳) میں شہر علم ہوں علیؑ اُس کا دروازہ ہیں (ینابیع المودۃ)

(۴) میں شہر حکمت ہوں علیؑ اس کا دروازہ ہیں (ینابیع المودۃ)

(۵) امت کا سب سے بڑا قاضی علیؑ ہے (صحیح مسلم، صحیح بخاری)

(۶) علیؑ میرے بعد اعلم امت ہے (ترمذی)

(۷) رسولخدا نے فرمایا "خدا نے میرے پاس کتاب مبین
بھیجی، اور حکم دیا کہ امت کو سنا دوں بجز علی ابن ابی طالبؑ کے
کیونکہ وہ محتاج بیان نہیں ہیں، اُن کی فصاحت و بلاغت میرے
مثل ہے۔ اور اُن کا علم و فہم مثل میرے ہے (تفسیر ثعلبی)

(۸) علم قرآن علیؑ کو ہے (تفسیر ثعلبی)

(۹) رسولخدا نے فرمایا "خدا نے جتنا مجھکو علم دیا میں نے

وہ سب علی کو دیدیا (مناقب اخطب خوارزمی)

رسولخدا نے جس ذات کے لئے اتنی علمی منزلیں فرمائی ہوں کیا اُن کے سوا کسی اور کسی سے علم لیا جا سکتا ہے۔ رسول نے جس کی علمی فضیلتوں کو اس طرح سے سراہا ہے۔ اور خدا قرآن مجید میں فرمائے (من اوتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا) جس نے حکمت حاصل کی اُس نے بہت بڑا خیر حاصل کیا۔

پس جو الحمد خیر کثیر ہو اک علم و فہم رسول ہو جو عالم بالقرآن ہو وہی اُمت کا خیر خواہ اُس کی ضروریات کا جاننے والا رسول کا خلیفہ و جانشین ہو سکتا ہے اور وہی بقائے صالح کے لئے رہبر ہوگا۔

(۱۰) رسولخدا نے فرمایا "میں علیؑ سے ہوں اور علیؑ مجھ سے ہیں۔ (صحیح بخاری)۔

(۱۱) جس نے مجھ میں اور علیؑ میں فرق کیا اُس نے خدا سے فرق کیا۔ (مناقب اخطب خوارزمی)

(۱۲) حضرت علی مرتضیٰ نبوتی لب و لہجہ میں منبر سلونی پر فرماتے تھے "جو پوچھنا ہو پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھکو کھو بیٹھو (ینابیع المودۃ)

(۱۳) کبھی فرماتے مجھ سے آسمانوں کی باتیں پوچھ لو، میں زمین کے راستوں کی بہ نسبت آسمانوں کے راستے زیادہ جانتا ہوں (ینابیع المودۃ)

(۱۴) کبھی فرماتے "میرے دونوں پہلوؤں میں علم کے دریا

ینابیع المودۃ)
جب علیؑ خلیفہ برحق رسولؐ کے ہوئے۔ تو قرآن جس طرح ہے
باقی ہے اُسی طرح سے علیؑ اور اُن کے گیارہ فرزند بھی۔ انہیں کو
تعلیم الٰہی ابدی زندگی بخش چکی ہے، اور اسی لئے رسولخداؐ نے
فرمایا: "میرے اہلبیت امان ہیں اہل زمین کے لئے" (مسند احمد
ابن حنبل)
اہل زمین کی بقا کے ضامن اہلبیت رسولؐ کی تعلیم سے ہیں
انھیں کو قرآن مجید نے کہا ہے۔ (بقیۃ اللّٰہ خیر لکم) یہ وہ
بقیۃ اللہ ہیں جو انسان کی بقا کے لئے خزانہ الٰہی ہیں۔

بارھویں امام کی غیبت

اسی بنا پر شیعہ اہلبیت رسولؐ میں
ایک ذات مقدس کو زندہ و باقی
سمجھتے ہیں، اور وہ امام برحق محمد بن حسن عسکری علیہما السلام ہیں۔
یہ اسی طرح سے زندہ ہیں جیسے توریت کے "ایلیا نبی" انجیل کے
"عیسیٰ نبی" ہندوؤں کے اوتار۔

(۲۵)

امام المتقین علی ابن ابی طالبؑ

اب اس بات کی جانچ لازم ہے کہ صفات باقیہ کمالیہ تقویٰ
علی ابن ابی طالب علیہ السلام میں بوجہ کمال موجود ہیں یا نہیں۔

جب متفقہ تاریخوں سے یہ بات ثابت ہو جاوے گی، بیشک کہنا پڑے گا کہ امیر المومنین امام المتقین تھے، اور بقائے صالح کے خواہشمندوں کے لئے ناگزیر ہوگا کہ وہ سیرت علوی کی پیروی کریں اور بعد رسولخدا علی ہی کو اپنا معلم حقیقی قرار دیں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو حقیقۃً نہ وہ شیعہ ہے، نہ بقائے صالح کا مالک ہو سکتا ہے، نہ وہ متقی بن سکتا ہے۔

قربانی، ایثار، شجاعت

قرباں گاہ عالم کا انسان سے مطالبہ ہے کہ جانی و مالی قربانی دے۔ تاریخ عالم اٹھا کر دیکھو، حفاظت رسول و دین رسول کے لئے وہ کونسی قربانی تھی جو علی نے اٹھا رکھی۔ صغر سنی میں جھولی میں پتھر لئے رسول کی پشت پر رہتے تھے۔ کفار قریش جب حملہ کرنا چاہتے تھے علی مارے پتھروں کے سب کو بھگا دیتے تھے، جب ہی سے ان کا نام "ابو القصم" ہوا (مسند احمد بن حنبل)

کفار قریش نے رسولخدا کا شب میں گھر گھیر لیا تاکہ سوتے میں رسول کو قتل کر دیں، رسولخدا ہٹ گئے، اور علی کو اپنے بستر پر سلا دیا۔

تن تنہا علی کو مجمع کفار میں سورہ برائت سنانے بھیجدیا، ہر لڑائی میں حفظ اسلام و مسلمین کے لئے علی ہی سینہ سپر ہو کر لڑتے، اور کبھی جنگ سے منہ نہیں موڑا۔

مالی قربانی و سخاوت

تین روز برابر روزے پر روزہ رکھا، اور سامنے کی روٹیاں مسکین و اسیر و یتیم کو اٹھا کر دیدیں۔ پشت پر کھجور و روٹی لاد کر یتیموں، بیواؤں کو پہنچاتے تھے، رسولخدا کا دیا ہوا باغ بیچ کر فقیروں کو دیا، اور اپنے بیوی بچے تین روز کے فاقہ سے تھے، وہ بھوکے رہ گئے۔ کیا تاریخیں ان واقعات کو بھلا سکتی ہیں۔

ہمدردی و رواداری

سیدہ عالمؑ نے شدت مرض میں علیؑ سے انار کی خواہش کی بمشکل ایک انار فراہم ہوا۔ بازار سے لے کر چلے۔ ایک گڑھے سے مریض کے کراہنے کی آواز آئی، جناب امیر اُس طرف متوجہ ہوئے، مریض کا سرزانو پر رکھ کر انار چھیل کر کھلا دیا، گھر خالی ہاتھ لوٹے۔

اپنی محنت و مزدوری سے ہزار غلام خرید کر آزاد کر دیے، بھٹکے بھولے ہوئے لوگوں کو راستہ بتاتے تھے، اور سنگین بوجھوں کے اٹھوانے میں عزدوروں کی کمک فرماتے تھے۔

اپنے قاتل عبدالرحمن ابن ملجم کو ویسا ہی دودھ پلوایا جیسا کہ وقت شہادت خود پیا تھا۔ جنگ صفین کے موقعے پر گھاٹ پر معاویہ نے قبضہ کر کے علیؑ کی فوج پر پانی بند کر دیا تھا۔ علی نے لڑ کر گھاٹ چھین لیا، اور حکم دیدیا کہ فوج معاویہ کو پانی سے نہ روکا جائے۔ بی بی عائشہ جنگ بصرہ میں شکست خوردہ ہوئیں، جناب امیرؑ نے

باحترام انکو مدینہ منورہ پہونچادیا۔

انسان کا کیا ذکر ہے، حیوانات سے یہ ہمدردی و محبت تھی کہ شب شہادت اپنی بیٹی اُم کلثوم سے اُن قازونکی سفارش کی جو گھر میں پلی تھیں، اور فرمایا ان کو سیر و سیراب رکھنا ورنہ آزاد کر دینا۔

انسانی ہمدردی میں اپنا خون اپنی آنکھ، اپنے اعضا کو دوسروں کو دیا جا سکتا ہے۔ لیکن علی کی محیر العقول حیوان سے ہمدردی کو دیکھو، منبر پر خطبہ پڑھ رہے ہیں، ایک کبوتر باز کے حملہ سے گھبرایا ہوا علی کی گود میں گرتا ہے، آپ اُس کو پناہ دیتے ہیں۔ لیکن ایک چھری مانگتے ہیں تاکہ اپنا گوشت کاٹ کر بھوکے باز کو سیر کر دیں۔

صداقت صداقت ایسی کہ رسولخدا صدیق اکبر خطاب دیں (مناقب اخطب خوارزمی) اور خدا قرآن مجید میں صادق فرماوے (کونوا مع الصادقین)۔ دشمنوں کو بھی آپکے صدق کا اقرار کرنا پڑے۔ خلافتی درباروں میں اپنے حق خلافت پر جو حدیثیں رسول کی ذکر فرمائیں، درباری اصحاب کو اقرار کرتے ہوئے کہنا پڑا، سب کچھ صحیح ہے، لیکن سب نے موجودہ خلافت پر اتفاق کر لیا ہے، اس امید پر کہ آپ بھی منظور کر لیں گے، (دیکھو اسلامی تاریخیں۔

حق پرستی

حکومتوں نے ہر طرح سے دبایا، لیکن حق پرستی سے علیؑ و آلِ علیؑ نے منھ نہ موڑا۔ دربار علوی میں ایک روز معاویہ کی چالبازیوں کا ذکر آیا تو بھی فرمایا کہ "اگر مجھکو خوف خدا اور پرہیزگاری کا خیال نہ ہوتا تو میں عرب بھر میں طوفان خیز شخص ہوتا"
جنگ احد میں سب رسول کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے، تنہا علی نے لڑکر جنگ فتح کی۔ رسولخداؐ نے پوچھا یا علیؑ تم سب کے ساتھ کیوں بھاگ گئے۔ عرض کی مجھ سے یہ ممکن نہ تھا کہ بعد اسلام مرتد ہو جاتا۔

عفت و طہارت

کیا کہنا اُس عفت و طہارت کا، جس کو قرآن مجید آیۂ تطہیر میں سراہے، جس نے آن واحد میں خلاف حکم خدا اور رسولؐ نہ کیا ہو۔

محبت و رحم و کرم

خدا اور رسولؐ سے وہ محبت جس کو خیبر کے میدان میں رسولؐ پکار پکار کر فرماویں "کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو کرار غیر فرار ہو، خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہو، اور خدا اور رسولؐ اُس کو دوست رکھتے ہوں۔ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم)۔
لونڈی غلاموں سے اتنی محبت کہ خود محنت مزدوری کریں اور لونڈی غلاموں کو شریک محنت نہ کریں۔ ایک روز سیدہؑ سے گھر کا کام لیں، چکی پسوائیں، خود چکی پیسیں، دوسرے روز فضہ کنیز چکیا پیسیں۔ خزانہ شاہی میں جب روپیہ جمع ہو، فقیروں پر برابر سے تقسیم فرما کر اپنے

ہاتھ سے بیت المال میں جھاڑو دیں، اور دو رکعت نماز شکر بجالائیں کسی کا درد دکھ نہ دیکھ سکیں، غیروں کو بال بچوں پر ترجیح دیں۔

علم و فہم و فراست

حضرت امیر کے خطب و کلمات و دیوان و مصحف و ادعیہ و احادیث کو دیکھو۔ زندگی کا وہ کون سا شعبہ ہے جس میں علیؑ نے دریا نہیں بہائے، وہ کون سا صحابی ہے جس کو علیؑ نے تعلیم نہ دی ہو۔ افقہ صحابہ ابن عباس و ابن مسعود کو آپ سے شرف تلمذ تھا، بلا امتیاز مخالف و موالف ہر ایک کو آپ نے تعلیم دی، کتب رجال شاہد ہیں۔

خود جناب عمر خدا سے پناہ مانگتے تھے کہ کوئی مشکل درپیش ہو، اور علیؑ موجود نہ ہوں۔ (اصابہ، اسد الغابہ) اور یہ فرمادیں کہ دنیا کی کوئی عورت علیؑ کا سا پیدا نہیں کر سکتی (مناقب خوارزمی) امیر معاویہ خبر شہادت جناب امیر سُن کر بے ساختہ کہیں کہ "آج علم فقہ و حکمت کا جنازہ نکل گیا۔ (استیعاب)

حلم و صبر

اللہ رے حلم و صبر، بعد رسول خدا بیعت کے لئے گھر سے گردن میں رسی باندھ کر نکالے گئے (طبری، ابو الفداء) گھر کے جلانے کی دھمکی دی گئی۔ (طبری۔ ابو الفداء) اس صابر کی محترم بیوی کو دروازہ دبا کر پسلی توڑ دی گئی۔ (ملل و نحل)

علی سا اشجع عرب ان تمام ذلتوں اور تکلیفوں کو حلم و صبر سے برداشت کرتا رہا، اور وصیت رسولؐ پر عمل کیا۔

زہد و قناعت اُس شاہنشاہ عرب و عجم نے اس سادگی سے زندگی بسر کی کہ فقراء بھی جس کے متحمل نہ تھے، جس حالت کو دیکھ کر خود رسولِ خدا کو فرمانا پڑا: "جو شخص زہد حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ کو دیکھنا چاہے وہ زہد علی کو دیکھے (صحیح بیہقی)

چند نمونے زہد علیؑ کے حسب ذیل ہیں:-

(۱) جو کی سوکھی روکھی روٹی، کبھی جو کا بھوسی ملا ہوا آٹا سوکھا، کبھی خالی سبز پتے، کبھی جو کی سوکھی روٹی و نمک۔ کبھی جو کی سوکھی روٹی اور سرکہ، کبھی جو کی سوکھی روٹی اور بو دار مٹھا۔ آپ کی غذا تھی (تذکرہ خواص الامہ، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

(۲) ربیعہ نے علیؑ کو ایک چھوٹا زیر جامہ پہنے دیکھا، جیسے اُس وقت کے ملاح پہنتے تھے۔ کبھی اپنی تلوار چار درم کو بیچ کر پیراہن خرید کر پہنتے تھے، کبھی خرمہ کی چھال کی پیوند لگی قبا پہنتے تھے، خرمہ کی چھال کی جوتی کبھی صحرائی عربوں کا سا لانبا قمیص، اگر کبھی دو قمیص خریدے، ایک سات درم کا دوسرا پانچ درم کا تو اپنے غلام قنبر کو قیمتی قمیص پہنایا اور خود کم قیمت پہنا۔

قبا میں کھجور کی چھال کے اتنے پیوند لگائے کہ فرماتے تھے اب خیاط (امام حسن) سے شرم آتی ہے۔ ایک روز خرمہ کی چھال کی جوتی سی رہے تھے، ابن عباس نے عرض کی، مولا ایسی کم قیمت شئے پر اتنی محنت؟ جواب دیا یہ جوتی تمہاری دنیا سے بہتر ہے (مسند احمد بن حنبل)

شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

(۳) ایک روز بادشاہ کوفہ نے کوفیوں سے فرمایا،، اگر میں تمھارے ملک سے سواری کا جانور لوں، یا غلام بازار راہ لیکر نکلوں تو مجھکو خائن سمجھنا (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

(۴) ایک روز خرمہ کا بوجھ کاندھے پر لادے بازار کوفہ سے لائے، خرمے کے چھلکے قبا میں بھرے ہوئے انھی حالت میں نماز جمعہ مسجد کوفہ میں پڑھائی۔ (مسند احمد بن حنبل)

(۵) گھر میں بکری کی ایک کھال تھی جس پہ دن میں اونٹ دانہ کھاتا اور شب کو اسی پر آرام کرتے تھے۔

(۶) ایک روز کسی نے ہدیتاً ایک نارنج پیش کیا، امام حسینؑ نے لے لیا، حضرت علی نے اس نارنج کو چھیل کر جو لوگ سامنے کھڑے تھے ان پر تقسیم کر دیا۔ (مسند احمد بن حنبل)

(۷) کوفہ میں علیؑ ایک چادر اوڑھے سردی سے کانپ رہے تھے۔ لوگوں نے عرض کی بیت المال سے لے کر کیوں نہیں لباس بناتے، فرمایا یہ وہی چادر ہے جو میں مدینہ سے ساتھ لایا تھا (مطلب یہ تھا کہ کوفہ کی بادشاہی سے میں یہ فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا) (تذکرہ خواص الامۃ)

(۸) آپ بلا تکلف زمین پر لیٹ کر سو جاتے تھے، رسول خداؐ مٹی لباس سے جھاڑ کر جگاتے اور ابو تراب کا لقب عطا کرتے۔

(خصائص امام نسائی)

(۹) فقیروں کے جھرمٹ میں بیٹھکر نہایت خوش ہوتے تھے۔

عدالت عدالت کی یہ حالت تھی کہ فرماتے تھے، ٹڈی کے منھ میں جو سبز پتی ہوتی ہے اُس کو چھین لینے میں بھی میں خدا کی بازپرس سے ڈرتا ہوں۔

(۲) آپ کے شاگرد رشید ابن عباس نے گورنری بصرہ کے دقت بہت سا پیسہ جمع کر کے مدینہ بھیجدیا، جب حضرت علیؑ کو خبر ہوئی تو خط میں لکھا۔ "اے ابن عباس یہ پیسہ فقیروں، بیواؤں، یتیموں کا ہے، تم علیؑ کی تلوار کو جانتے ہو۔ فوری یہ پیسہ واپس لیکر فقرار پر تقسیم کردو۔ (علیؑ کی نظر میں ملکی آمدنی اہل ملک کا مال تھا)

(۳) علیؑ کے نابینا بھائی عقیل بچوں کی فاقہ کشی سے پریشان ہوکر اپنے بھائی علی سے حق فقرار میں سے چند سیر زاید گیہوں مانگنے آئے حضرت نے ایک لوہے کا ٹکڑا گرم کر کے جسم عقیل سے متصل کیا، عقیل چیخ اُٹھے۔ امیر المومنین نے فرمایا اے عقیل دنیا کی آگ سے بچتے ہو اور علی کو جہنم کی اُس آگ کی طرف کھینچتے ہو جو خدا کی جلائی ہوئی ہے۔

حیا تین تین وقت بچوں کو بھوکا رہنا پڑا، لیکن کبھی رسولخداؐ سے بھی شکایت نہیں کی۔

(۲) اکثر لوگوں نے نہایت بوسیدہ لباس دیکھ کر عرض کی، آپ

شاہنشاہ ہو کر ایسا بوسیدہ لباس پہنتے ہیں۔ جواب دیا۔ مجھکو اُن فقیروں سے شرم آتی ہے جن کی حالت مجھ سے بھی بدتر ہے، میں جبھی امیر المومنین ہوں گا جب اُن فقیروں سے بھی بدتر حالت اختیار کروں۔

وفا کیا کہنا اُس وفادار سپاہی کا جو اپنے افسر کے حکم کی تعمیل میں مر مٹے۔ وہ کون سی لڑائی تھی جو حکم رسولؐ سے علیؑ نہیں لڑے اگر ہجوم اعدا میں رسولخداؐ نے علیؑ کو تنہا فرش خواب پہ رسونے کو کہا تو چین سے سو رہے۔

بعد رسولؐ یہ جانتے ہوئے کہ سقیفہ میں اُن کی جان، عزت، حقوق مٹانے کی پُرزور سازش ہو رہی ہے۔ سب صحابی نعش رسولؐ چھوڑ کر چلے گئے، علیؑ اپنے محسن کی لاش کے دفن و کفن میں مشغول رہے، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی قسمت کا فیصلہ کرالیا (صحیح بخاری)

عبادت بعد رسولخداؐ اُن کی تعلیم کا حافظ وہی ہو سکتا ہے جو عباداتِ الٰہیہ کا سرچشمہ ہو، جامع علوم انبیاء و عبادات مرسلین ہو، جس کو خود رسولخداؐ نے فرمایا ہو "جو آدم کو صفوت میں، نوحؑ کو فہم میں، موسیٰؑ کو ہیبت میں، عیسیٰؑ کو زہد و عبادت میں دیکھنا چاہے وہ علی ابن ابی طالبؑ کو دیکھ لے (مودۃ القربیٰ)

لہذا علیؑ خدا کا ایسا بندہ ہے، جو تمام نبیوں کی امت کا علی ہے، بلکہ عالم انسانیت کا علی ہے جس نے زندگی کے ہر شعبے میں

خدا کی عبادت کر کے دکھائی، اور تمام عالم انسانیت کو جملہ انبیار کی تعلیمات کا ذخیرہ پہونچایا، جملہ انبیار کی تعلیمات کا وہ مبلغ ہے۔ اس لئے وہ تمام امتوں کا دوست ہے، اور اس قابل ہے کہ ہر مذہب اُن سے محبت کرے۔

علیؑ نے اپنے اعمال و اقوال سے بتایا، خدا اور بندوں کے تعلقات کو، حاکم و محکوم کے تعلقات کو، زن و شوہر کے تعلقات کو، ماں باپ اور اولاد کے تعلقات کو، دوست احباب کے تعلقات کو، فقر و احتیاج و تونگری، گوشہ نشینی، امارت، و فرمانروائی، میں انسان کیونکر بسر کرے۔

علی مرتضیٰؑ نے یہ سب کچھ اپنی عملی زندگی سے بتایا، یہ سب باتیں صرف ایک ہستی میں ہمارے سامنے آتی ہیں، یا اُن کی اولاد کی تعلیم و عمل میں دکھائی دیتی ہیں۔ میدان جنگ میں وہ ایک بہادر سپاہی تھے، اور اسلامی فوج کے قاید و سپہ سالار تھے۔ محراب عبادت میں عابد شب زندہ دار تھے، جن کے گھر سے ہر شب ہزار تکبیرۃ الاحرام کی آواز ہمسایہ والے سنتے تھے۔ جن کا شب میں کبھی فرش خواب نہیں بچھا۔

جو میدان جنگ میں تیروں کی بوچھاریں نماز پڑھتے تھے۔ شب کی تاریکیوں میں جنگلوں میں خدا سے مناجات کرتے ہوئے بیہوش ہو جاتے تھے۔

تین تین دن روزے پر روزہ رکھتے تھے، بازار کوفہ میں تازیانہ لئے اصول تجارت کی تعلیم دیتے پھرتے تھے۔ میثم تمار کی دوکان پر بیٹھے کھجور کی دوکانداری کرتے تھے۔ فقیروں کے جھرمٹ میں بیٹھکر صبر و قناعت کا درس دیتے تھے۔ منبر پر خطیب و لکچرار تھے۔ شاگردوں کے مجمع میں حکیم الٰہی و فلسفی تھے۔

غیر مذاہب کے علماء کے سامنے مبلغ اسلام تھے، یہود و نصارا کے مجمع میں حافظ توریت و انجیل تھے۔

رواداری و انصاف و محبت کی نظر سے اپنی الہامی کتابوں ویدِ، شاستر، گرہنت جی، توریت و انجیل کی روشنی میں علیؑ کی علمی و عملی زندگی کی جانچ کرو تو تم کو معلوم ہوگا کہ علیؑ بعد رسول وہ ذات ہے جو ہر ایک کی محبت کے قابل ہے۔ اس لئے کہ علیؑ ہی عام انسانیت کا سچا خیرخواہ اور دوست ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شیعہ بعد رسولؐ علیؑ ہی کو اور گیارہ اماموں کو بقائے صالح کا ضامن سمجھتے ہیں، اور انھیں کے بتائے ہوئے طریقوں پر جدو للبقاء کرتے ہیں۔

وہ علی جو اس تمنا میں دنیا سے چلا جاوے کہ " اگر اُن کو موقعہ دیا جاوے، اور بین الاقوامی مسند اُن کے لئے بچھائی جائے تو توریت والوں کے درمیان توریت سے، انجیل والوں کے درمیان انجیل سے۔ زبوریوں کے درمیان زبور سے۔ قران پڑھنوں

کے درمیان قرآن سے فیصلہ کرتے۔ (تفسیر ثعلبی)

وہ علیؑ جس کی نسبت رسولخداؐ فرماتے تھے "اگر علیؑ موسیٰ نبی کے سامنے توریت پڑھتے تو اُن کو اقرار ہوتا کہ وہ اسی طرح سے توریت پڑھتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیؑ سے انجیل سنکر اقرار کرتے کہ وہ بھی انجیل اسی طرح سے پڑھتے ہیں۔

زبور کو علیؑ سے پڑھتے سُن کر داؤد نبی اقرار کرتے کہ وہ بھی اسی طرح سے زبور پڑھتے ہیں، اور قرآن مجید علیؑ اس طرح سے پڑھتے ہیں جیسے میں"

نبیوں کا دوست، اُن کی تعظیم و احترام کرنے والا، اُن کی شریعتوں کا حافظ، بین الاقوامی انسان کے سامنے کشمکش حیات کے سب سرچشمہ خشک ہو جاتے ہیں، اور اُن کے سچے پیرو ہرگز ہرگز کسی مذہب و ملت سے کشمکش نہیں کر سکتے۔

(۳۶)

آلِ رسولؐ کو بقا ہے اسلئے کہ حیاتِ صالح کی وہ مالک ہیں

جب عبادت یہ ہے (جس کے لئے خلقت انسان ہوئی) کہ انسان حیات صالح اور تقوے کا مالک ہو، اور انسان کامل

و متقی کامل ہو، تو وہ جامع صفات انبیاء اور عالم بجمیع علوم انبیاء
ہوگا، اور وہ ذات بیشک اُس نبی کی ہوگی جو سب نبیوں کے بعد
آوے، اُن سب نبیوں کی تعلیم کے ساتھ جو افضل الانبیاء
ہوگا، اور یہ سلسلہ اُس وقت ہی ختم ہوگا، جب سلسلہ تعلیم ختم ہو
اور تعلیم کو عمل پورا کردے۔

معلم اسلام (نبی) کی تعلیم ختم ہوگئی، اُن کی تعلیم کا مکمل
عملی نمونہ حضرت علی مرتضیٰ اور اُن کے گیارہ امام و فرزند تھے۔
اس لئے وہی خلفائے برحق رسولؐ کے اور افضل اوصیاء تھے۔
اور عالم بجمیع علوم انبیاء، اور وارث انبیاء تھے،

اس لئے جس طرح سے قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ وہ جملہ
آسمانی کتابوں کا مجموعہ ہے (ومھیمنا علیہ) اسی طرح سے
قرآن مجید کی اماموں کے متعلق بھی یہ شہادت موجود ہے کہ ہر نیکی
و خوبی علم و فضل امام مبین میں بھی جمع ہے، اور اس لئے شیعہ
اماموں کو قرآن ناطق سمجھتے ہیں، اور یہی اُن کے اماموں کا دعویٰ
تھا، اور یہی رسولخداؐ نے بھی فرمایا تھا۔ "کل شئی احصیناہ فی امام مبین"
علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں، اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہیں (امالی
ابن بابویہ)۔

اور اسی کو رسولخداؐ نے غدیر خم کے موقع پر فرمایا تھا، ایک لاکھ
پچیس ہزار کے مجمع میں "میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں

ایک کتاب خدا، دوسرے عترت طاہرہ۔ کوئی ان میں کا جدا نہ ہوگا، جب تک حوض کوثر پر میرے پاس نہ آوے (صحیح مسلم)

یہ متفقہ حدیث تاریخ کا مسلمہ واقعہ اور رسولؐ کی آخری وصیت بھی۔ کیا قرآن محض چوم چاٹ، لینے کے لئے ہے؟ ہرگز نہیں اُس پر عمل کرنا لازمی ہے۔ اسی طرح سے آلِ رسولؐ وعترت بھی اس لئے ہے کہ اُس کی اطاعت و پیروی کیجاوے، اور دونوں کو رسولؐ نے اس لئے چھوڑا ہے تاکہ دونوں کی پیروی کیجاوے۔

غیبت امام و بقائے امامت

چونکہ رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے، "عترت و قرآن قیامت تک جدا نہ ہوں گے"، اور یہ متفقہ اور متواتر حدیث ہے، تو شیعوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کی طرح عترتِ رسولؐ بھی باقی ہے۔ (اللھم عجل فرجہ)

ایک ایسی ہستی کا وجود، جو مسلمانوں کے ہر فرقے کا بلا اختلاف اعتقاد ہے، اور جو صدرِ اسلام سے آج تک اعتقاد رہا ہے۔ وہ کسی سیاسی غرض کے لئے نہیں گڑھا گیا ہے۔ ہرچند کہ اس اعتقاد سے غلط سیاسی فائدے اٹھائے گئے لیکن رسولِ خداؐ سے لے کر جملہ اماموں کی ہزاروں حدیثیں موجود ہیں کہ آخر زمان میں امام مہدیؑ ظہور فرماویں گے۔

اس متفقہ عقیدے کو جھٹلانے کی کون سی دلیل ہے۔

ایسی فرد کا دنیا میں غائب و مخفی ہونا، بالکل اسی طرح جس طرح قرآن مجید کا فائدہ ان ملکوں میں، ان قوموں میں جو قرآن کو نہیں جانتے، نہیں پڑھتے، نہیں سمجھتے، عمل نہیں کرتے۔

کیا وہ کتب خانے تلف کر دینے کے قابل ہیں جن سے لوگ فائدہ نہ اٹھا سکیں، ان کتابوں کی زبان نہ سمجھیں، یا ان علوم کو نہ جانتے ہوں۔

کیا ملکی وجود کا انکار اس لئے کیا جا سکتا ہے کہ ہم ان کو نہیں دیکھتے، اور ان سے میل جول نہیں کر سکتے، یا وہ موجودات عالم جو ابھی تک تحقیق نہیں ہوئے ان سے انکار کرنا صحیح ہے، وہ عناصر وہ دھاتیں، وہ قومیں جو آج سے پہلے تحقیق نہ ہوئی تھیں، وہ پودے، وہ حیوانات، وہ جزائر جو آج سے پہلے تحقیق نہ ہوئے تھے یا آئندہ تحقیق ہوں گے۔

کیا یہ سب اسی دنیا میں موجود نہ تھے، لہذا ایسی بھونڈی باتوں سے کسی واقعے سے انکار حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

یہ ہے خلاصہ شیعہ مذہب کا۔ کسی قوم کسی مذہب کی کتنی ہی زائد عمر ہو، اور کتنا ہی قدیم و کہنہ مذہب ہو، بقائے صالح کا وہ مذہب مدعی نہیں ہو سکتا جب تک اس میں بقائے صالح کے بنیادی اصول نہ ہوں۔

ہزاروں سال وہ مذہب زندہ رہ سکتا ہے، لیکن اگر

اس میں کشمکش حیات کی روک تھام نہ ہو، حیات صالح کا اس میں سوادنہ ہو تو وہ بیکار و فضول ہے۔

کشمکش حیات سے نجات حاصل کرنے والو! ناامنی اور خطروں کی زندگی بسر کرنے والو! بقائے صالح کے لئے بیقرار و بیتاب قومو!!! آؤ آؤ، علی و آل علی کی سیرتوں اور تعلیموں کو غور سے دیکھیں۔ اگر دعوٰے ہمارا صحیح ہے تو اُن سیرتوں کو اپنا معیار زندگی بنا دیں، تاکہ زندہ جاوید بنیں، اور دنیا اس کشمکش حیات سے آسودہ ہو۔

موجودہ اعتقادی، معاشی، معاشرتی، تمدنی، سرمایہ داری کی جنگ کا خاتمہ صرف سیرت علیؑ و تعلیم علوی میں مضمر ہے، جو اصلی تعلیم قرآن، اور حقیقی تعلیم رسولؐ ہے، اور اُن تعلیموں سے بالکل جدا ہے جو قرآن و رسولِ خدا کے نام سے دنیا میں پھیلائی جا رہی ہیں۔ (واللہ یھدی من یشاء الی صراط المستقیم)

(۴۷)

نظمِ عالم کیلئے مختصر خاکہ

اگر دنیا کشمکش حیات سے اکتا چکی ہے تو اس کو ایک مرکز

پر جمع ہو کر چاہیے کہ :-

(۱) موجودہ تمام نظاموں کو درہم و برہم کر کے تقوے کی بنیادوں پر قومی تعمیر شروع کی جاوے، جس کے لئے مکتب، مدرسہ، کالجیں، گاؤں گاؤں میں قائم ہوں، معلموں کی ٹریننگ ہو، تعلیم تمام کی جاوے۔ مصنفین مذکورہ امور پر کورس و نصاب تعلیمی کی تصنیفیں کریں، مبلغین و واعظین و لکچرار اصول تقوے کے دیہاتوں شہروں میں تبلیغ کریں۔

پریس پر قابو رکھا جاوے، کوئی تحریک تقوے شکن نہ ہونے پاوے۔ مفکرین و مصلحین کے سامنے بجز تقوے کوئی پروگرام نہ ہو۔

مسلسل ایسی اسکیمیں بنائی جاویں جو متقی بنانے میں مددگار ہوں۔

(۲) ڈکٹیٹری، جمہوریت، سلطنت و حکومت، کمیونزم وسوشلزم، سامراج، فسطائیت، نازیت وغیرہ وغیرہ، کا خاتمہ کر کے حکومت الٰہیہ قائم کی جاوے، جو معلمین و مبلغین و مصلحین کے ہاتھ میں ہو۔

ڈکٹیٹری، و بادشاہی، و امارت و پریسیڈنٹی کی ہرگز حیثیت نہ ہو، بلکہ معلم و مبلغ و مصلح کی شان سے تجاوز نہ ہو، اور ایسا شخص جو معلم بنایا جاوے، تقوے کا مجسمہ ہو، اور قوم کی

رہبری و تعلیم میں ماہر ترین و استاد ترین ہو۔ انسانیت کا
پیکر، اور حیات صالح کا علمبردار ہو۔

شیعہ مذہب میں تقلید اعلم کے منشار کو اسی طرح سے
پورا کیا جانا تجویز کیا گیا تھا، جس کو غلط استعمال کیا گیا۔

لیکن خوب سمجھ لو کشمکش حیات کو کشمکش سے نہیں مٹا سکتے
تمہارا ہر قدم تعلیمی و تبلیغی ہمدردانہ، محبتانہ ہو، اور جس قوت
وایثار، وفداکاری سے تم نشر مقصد کرو گے، یقین سمجھو قومی
تعمیر کا بلامزاحمت ومصادمت تمہارے سر سہرا ہوگا۔

والله الموفق والمعین وبہ نستعین